فقہی اختلاف
اور
شاہ ولی اللہؒ کا موقف

...مد نعیم اختر ندوی

فقہی اختلاف
اور
شاہ ولی اللہ کا موقف

محمد فہیم اختر ندوی

Fiqhi Ikhtelaf Aur Shah Waliullah Ka Mauqaf
By : Mohd. Fahim Akhtar Nadvi
Rs. 45/=

کتاب : فقہی اختلاف اور شاہ ولی اللہ کا موقف
مصنف : محمد فہیم اختر ندوی
صفحات : ۱۱۲
طباعت : ۲۰۰۳ء
قیمت : ۴۵ روپے
ناشر : اسلامک بک فاؤنڈیشن
۱۷۸۱۔ حوض سوئیوالان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

ISLAMIC BOOK FOUNDATION
1781- Hauz Suiwalan. New Delhi- 110002

انتساب

میں احساس سعادت اور مسرت کے ساتھ اس رسالہ کو منسوب کرتا ہوں

☆ اپنے والدین کے نام جنھوں نے ہر تکلیف سہ کر میری تعلیم وتربیت کا انتظام بہم پہنچایا۔

☆ مادر علمی دارالعلوم ندوۃالعلماء کے نام جس کی علمی فضاؤں میں زبان نے گویائی ، قلم نے تحریر، فکر نے شعور اورقدم نے ثبات سیکھا۔

اور

میں احساس شکر اور امید کے ساتھ اس تحریر کو منسوب کرتا ہوں

☆ شاہ دہلوی کے نام جن کے معتدل افکار امت کا قیمتی سرمایہ ہیں

☆ ان شخصیات کے نام جو اتحاد امت کے لئے کوشاں رہے اور جو آئندہ کوشاں رہیں گے۔

فہرست

مقدمہ کتاب

علماء محققین کی تحریریں

پہلا باب

اسلامی شریعت اور فقہی اختلاف

دوسرا باب

فقہی اختلاف اور حضرت شاہ ولی اللہ کا عہد

تیسرا باب

فقہی اختلاف کی حیثیت۔شاہ ولی اللہ کی نظر میں

چوتھا باب

فقہی مسالک کی حقیقت۔شاہ ولی اللہ کی نظر میں

پانچواں باب

فقہی مسالک میں جمع و تطبیق۔ شاہ ولی اللہ کی رائے

چٹھا باب

فقہی اختلاف میں شاہ ولی اللہ کا معتدل موقف

ساتواں باب

اجتہاد اور تقلید۔ شاہ ولی اللہ کی رائے

آٹھواں باب

فقہی اختلاف کے بارے میں معاصر علمائے اسلام کا فیصلہ

خلاصہ کلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کو ایک روشن شاہراہ پر چھوڑا اور اس پر دو منارہ نور نصب فرمائے جو اس شاہراہ کو ہمیشہ روشنی دیتے رہیں گے۔ یہ منارے ہیں اللہ کی کتاب قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سنت۔ یہی دونوں پوری امت مسلمہ کے لئے بنیادی سرچشمے ہیں، اور زندگی کے ہر مسئلہ کا حل ان دونوں سے ہی معلوم کیا جائے گا۔ حل معلوم کرنے کی یہ کوشش اجتہاد کہلاتی ہے، اور معلوم کئے گئے احکام 'فقہ اسلامی' کہلاتے ہیں۔ اجتہاد عہد نبوت سے جاری ہے۔ اور اجتہادی مسائل میں مختلف علمی اسباب کی بناء پر اختلاف رائے بھی اسی وقت سے جاری ہے۔ دین کے اصولی احکام اور منصوص مسائل میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن فروعی مسائل میں دلیل کی بناء پر مختلف آراء سے امت کے لئے آسانی اور عملی سہولت پیدا ہوتی رہی ہے، اس لئے سلف صالحین نے ایسے فروعی اختلاف کو بہ نظر استحسان دیکھا ہے۔

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں مجددین اور مجتہدین امت نے فقہی اختلاف کی اس حقیقت کو واشگاف فرمایا، اور جہاں کہیں افراط یا تفریط نظر آئی، اس کی نشاندہی فرمائی۔ پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام دارالہجرۃ امام مالک بن انس، امام سفیان ثوری، امام ابوبکر ابن العربی، امام عبدالوہاب شعرانی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، امام ابن القیم اور دور آخر میں شاہ ولی اللہ دہلوی جیسی کتنی ہی شخصیات نے اس موضوع پر واضح رہنمائی فرمائی ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے سامنے فقہی اختلاف، فقہی مسالک اور اجتہاد و تقلید کے میدانوں میں افراط و تفریط موجود تھی، ان میں صحیح اسلامی موقف اور راہ اعتدال بتانے کے لئے آپ نے بڑی تفصیل

کے ساتھ محققانہ تحریریں تیار فرمائیں، اور اپنی مجتہدانہ شان اور ایمانی دل سوزی کے ساتھ امت کو اس روش پر گامزن کرنا چاہا جو عہد اول سے سلف کی روش رہی ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی یہ خوش بختی ہے کہ ان کے تمام مکاتب فکر اور گروہ حضرت شاہ صاحب سے علمی انتساب رکھتے ہیں۔ لیکن جو پہلو لائق توجہ بلکہ باعث تشویش بنتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام دشمنوں نے امت مسلمہ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے دیگر امور کے ساتھ فقہی اختلاف کو ایک موثر حربہ کے طور پر استعمال کیا اور جن فروعی مسائل میں فرق کے ساتھ امت مسلمہ ایک سیسہ پلائی دیوار بن کر موروملخ کی طرح آگے بڑھ رہی تھی، ان ہی مسائل کی بنیاد پر انھیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا گیا۔ اور دشمن کے تمام القاب اور گمراہی کے تمام اوصاف ہر فریق نے دوسرے کو نواز دیئے۔ اس صورت حال کا افسوسناک پہلو یہ تھا مرکز اتحاد شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے تمام مکاتب فکر کی جن خوبیوں کا تذکرہ کر کے ان کی بے اعتدالیوں کر ختم کرنے اور انھیں باہم قریب لانے کی کوشش فرمائی تھی، ہر فریق نے شاہ صاحب کی صرف اپنے حق میں تحریروں کا حوالہ دے کر انھیں بھی دوسرے فریق کا مخالف ثابت کرنے کوشش کی۔

یہاں بڑے درد کے ساتھ اس خیال کا اظہار کیا جاتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ جیسی نابغہ روزگار ہستی سے انتساب اور ان کے اسم گرامی سے منسوب اداروں کا قیام تو کیا گیا، لیکن طباعتی انقلاب اور علمی تحقیق کے اس دور میں جہاں روزانہ اہم اور غیر اہم کتابوں کا سیلاب سا امنڈا چلا آتا ہے، شاہ دہلوی کی مایہ ناز محققانہ تصنیفات کے بوسیدہ ایڈیشن بھی بہ آسانی دستیاب نہیں ہیں۔ یہ افسوسناک لمحہ فکریہ ہے۔ اور شاید یہ بھی ایک وجہ ہے کہ زندگی سے گہرا تعلق رکھنے والے فقہی اختلاف کے موضوع پر صحیح، معتدل اور سلف صالحین کی روش ہمارے سامنے آنے کے بجائے افراط یا تفریط پر مشتمل جانب دارانہ اور انتشار پیدا کرنے والی تحریریں خود شاہ صاحب کے حوالوں کے ساتھ آج بھی شائع ہو رہی ہیں۔ جن کا نتیجہ ہے کہ آج جہاں اسلام مخالف عناصر اپنے اختلاف میں اتحاد کی بنیادیں ڈھونڈ نکال رہے ہیں، ہم اپنے اتحاد میں بھی اختلاف کے

بال ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے انتشار کو بڑھاوا دے رہے ہیں۔

زیرِ نظر رسالہ اس احساس کے تحت تیار کیا گیا ہے کہ فقہی اختلاف اور اجتہاد و تقلید کے موضوع پر شاہ ولی اللہ دہلوی کا اصل معتدل موقف امت کے سامنے آئے، اور شاہ صاحب کے نام اور انتساب پر متفق ہونے والے سارے مکاتب فکر فقہی اختلاف سے متعلق شاہ صاحب کے افکار و موقف پر متفق ہوں، جو اصل اسلامی موقف ہے۔ اس سے امت کی صفوں میں وحدت پیدا ہوگی اور سلف صالحین کی روش زندہ ہوگی۔

اس رسالہ کے پہلے باب میں اسلامی شریعت میں فقہی اختلاف کی حقیقت و حیثیت اور اس کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور یہ دکھایا گیا ہے کہ سلف صالحین نے فقہی اختلاف کو کس نظر سے دیکھا اور اس سے کس طرح امت کے مسائل میں فائدہ اٹھایا۔ دوسرے باب سے ساتویں باب تک فقہی اختلاف کے مختلف پہلوؤں اور اجتہاد و تقلید کے موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی آراء اور ان کے افکار و خیالات پیش کئے گئے ہیں۔ آخری باب میں فقہی اختلاف کے حساس موضوع پر دو مؤقر تحقیقی اداروں کے فیصلے ذکر کئے گئے ہیں، جن کے ذریعہ تقریباً تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے معاصر اکابر علماء اسلام کا متفقہ موقف بڑے ٹھوس انداز میں سامنے آیا ہے۔ یہ فیصلے ہندوستان کی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم المجمع الفقہی الاسلامی کے سیمیناروں میں غور و خوض کے بعد کئے گئے ہیں، جو بڑے اہم اور دعوت فکر و عمل دینے والے ہیں۔ مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا پورا احساس ہے، اور شاہ صاحب جیسی عظیم المرتبت عبقری شخصیت کے افکار کو پیش کرنے میں مجھ سے چوک اور کوتاہی بعید نہیں ہے، لیکن میں نے اپنے تئیں پوری کوشش کی ہے کہ شاہ صاحب کی رائے اور موقف کو حتی الامکان ان ہی کے الفاظ میں پیش کروں۔ یہ میرے لئے سعادت اور مسرت کی بات ہے کہ شاہ صاحب کے علوم و افکار کا گہرا مطالعہ کرنے والی موجودہ دور کی نامور اور بڑی شخصیتوں نے اس عاجز کے رسالہ پر بطور مقدمہ اپنی گراں قدر تحریریں لکھیں۔ یہ تحریریں خود بھی بڑی چشم کشا اور قیمتی ہیں اور فقہی

اختلاف کے موضوع پر معتدل موقف کو سامنے لاتی ہیں۔ میرے لئے خوشی کے ساتھ اطمینان کی بات یہ بھی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار وآراء اور ان کے معتدل موقف سے متعلق اس رسالہ کی تحریر کو کئی اکابر شخصیتوں نے حرف بہ حرف پڑھا اور مفید مشورے دئے اور اپنے مقدمہ میں اس کا اظہار کرتے ہوئے اس پر اطمینان ظاہر فرمایا۔

مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء کے ناظم اعلی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے اس رسالہ کو پڑھ کر اس پر اپنا گراں قدر مقدمہ تحریر فرمایا۔ حضرت والا کی شخصیت کا شکریہ میں الفاظ میں ادا نہیں کرسکتا، آپ کی ذات وہ شجرہ طوبی ہے جس سے پیوستہ رہ کر میں امید بہار رکھتا ہوں۔ میرے انتہائی مشفق اور خصوصی استاذ حضرت مولانا عتیق احمد بستوی مدظلہ العالی نے میرے رسالہ کو حرف بہ حرف پڑھا اور مناسب مشوروں سے نوازا، پھر اس پر وقیع مقدمہ تحریر فرما کر وسیع پیمانہ پر اس کی اشاعت کی رائے دی۔ استاذ گرامی قدر کا شکر میں صحیح معنوں میں یہی سمجھتا ہوں کہ ان کے ایک شاگرد کی تحریر انھیں پسند آئی۔ اللہ ان کا سایہ تا دیر مجھ پر قائم رکھے۔ میں بہت ہی ممنون ہوں موجودہ دور کی ایک نامور علمی شخصیت، جامعۃ الفلاح کے شیخ الجامعہ، جماعت اسلامی ہند کے نائب امیر حضرت مولانا سید جلال الدین انصر عمری مدظلہ کا جنھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اس حقیر کے رسالہ کو نہ صرف پڑھا بلکہ مفید مشوروں کے ساتھ ساتھ جہاں کہیں اسلوب میں الجھاؤ یا لفظی ترمیم کی ضرورت محسوس کی ان سب کی اصلاح فرمائی، اور اپنے عالمانہ مقدمہ سے رسالہ کی وقعت بڑھائی۔ خدائے بزرگ وبالا مولانا موصوف کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ فقہ وتحقیق کی دنیا کی معروف ومستند اور مشہور صاحب تصنیف شخصیت حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود اپنے قیمتی مقدمہ سے اس رسالہ کو زینت بخشی ہے۔ یہ آپ کی وہ علمی عنایت ہے جس کا زریں سلسلہ مجھ ناچیز پر زمانہ طالب علمی سے قائم ہے۔ اور میں اپنی کسی بھی علمی کاوش کو ان ہی اساتذہ کا ثمرہ سمجھتا ہوں۔ میں اپنے محترم استاذ، نامور

اسکالر ومعروف دانشور جناب پروفیسر اختر الواسع صاحب ڈائرکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز وڈین فیکلٹی آف ہیومنیٹیز اینڈ لنگوئجیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ کا بے انتہا مشکور وممنون ہوں، جن کی تحریک سے مجھے قوت، گفتگو سے رہنمائی، خوردنوازی سے بلند حوصلگی اور مشوروں سے عمل کو تقویت ملتی رہتی ہے۔ بلکہ اس رسالہ کی تصنیف اور تصنیفی کاموں میں مصروفیت کی اصل محرک آپ ہی کی ذات ہے، اس کا بہترین اجر اللہ ہی کے یہاں ہے۔ اس کے ساتھ ہی میرے خصوصی شکریہ کے مستحق اسلامک بک فاؤنڈیشن کے مالک محترم جناب فراست علی صاحب ہیں جن کی شخصیت علم نواز بھی ہے اور باوقار بھی، انھوں نے اس رسالہ کی معیاری طباعت میں فراخدلانہ دلچسپی لی، فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

اس موقع پر مجھے بڑی شدت کے ساتھ اپنے اس محسن عبقری شخصیت کی یاد آرہی ہے جو اتحاد امت کی داعی، وحدت اسلامی کی نقیب اور قانون شریعت کی سند تھی، انھیں اس تحریر سے یقیناً بے انتہا خوشی ہوتی، کیونکہ میرے شعور نے اعتدال اور اتحاد کے نازک مفاہیم آپ ہی کی بافیض صحبت میں سیکھے اور میری فکر وفہم کو مہمیز کرنے اور مجھے کسی قابل بنانے میں آپ کی مشفقانہ تربیت اور مخلصانہ خوردنوازی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ فقیہ امت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ کی شخصیت ہے۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت میں انھیں صدیقین وشہداء وصالحین کی رفاقت نصیب فرمائے۔ آخر میں یہ خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں کہ میں ان لوگوں کا شکریہ ادا کروں جنھیں میری کسی بھی علمی کاوش پر مجھ سے زیادہ خوشی ہوتی ہے، ان میں ایک میرے افراد خانہ ہیں اور دوسرے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور اس سے باہر علمی ذوق رکھنے والے میرے رفقاء ہیں۔ اللہ ان سب کو دونوں جہان کی سعادتوں سے نوازے۔ اللہ تعالی اس رسالہ کو امت کے لئے نافع بنائے۔ اپنی قبولیت سے نوازے اور میری غلطیوں سے درگذر فرمائے (آمین)۔

۶ر رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ — محمد فہیم اختر ندوی

۲ر نومبر ۲۰۰۳ء — (سی۔۱۶۴، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵)

مقدمہ کتاب:

علماء محققین کی تحریریں

مقدمہ

راہ اعتدال کی نشاندہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ و السلاعلی خاتم النبیین محمد بن عبداللّٰہ الأمین ، و علی آلہ و أصحابہ أجمعین ، و بعد:

حضرت شاہ ولی اللہؒ (احمد بن عبدالرحیم دہلوی، متوفی ۱۱۷۶ھ) کی شخصیت اہل علم میں محتاج تعارف نہیں۔ موصوف تاریخ اسلام کے ان ممتاز ترین مصلحین، مفکرین اور داعیوں میں سے تھے جن کی اصلاح وتجدید کے نقوش آج تک تابندہ ہیں، اور مسلمانوں کی زندگی کا ہر میدان اور علوم اسلامیہ کا ہر گوشہ ان کے آثار وافکار سے منور ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے اصلاحی اور تجدیدی کارناموں کی گونج عالمی پیمانہ پر ہے، ان کی متعدد تصنیفات خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ نے معاصر اسلامی فکر پر بڑے گہرے اثرات ڈالے ہیں، حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ صاحب نے اسلامی عقائد واحکام کی جو ترجمانی کی ہے وہ عصر حاضر کے ذوق ومزاج کے مطابق اور نئے ذہنوں کو مطمئن کرنے والی ہے۔ عالم اسلام کے بے شمار محققین و مصنفین، اصحاب فکر ودعوت حجۃ اللہ البالغہ سے غیر معمولی طور پر متاثر ہیں، اپنی تحقیقات وآراء میں شاہ صاحب کا حوالہ دیا کرتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا ایک بڑا کارنامہ علمی اور فکری سطح پر امت مسلمہ کی شیرازہ بندی ہے، انہوں نے مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور امت کے مختلف فرقوں اور مسلکوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے، بدگمانیاں اور غلط فہمیاں دور کرنے کی انتھک کوشش کی، کلامی اور فقہی

اختلافات کو ان کی حدود میں رکھنے اور فروعی اختلافات میں اختلاف فکر ونظر کو گوارہ کرنے کی مسلسل دعوت دی، اور اختلافی مسائل میں راہ اعتدال کی نشان دہی کی۔ اپنے دروس، تصنیفات اور مواعظ سے یہ مزاج بنانا چاہا کہ فقہی وفکری اختلافات امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والے نہیں، بلکہ سامان رحمت ہیں، امت کو حرج وتنگی سے نکالنے والے اور اسلامی شریعت میں فراخی وکشادگی پیدا کرنے والے ہیں۔

اس موضوع پر حضرت شاہ صاحب کے دو رسالے "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" (جو حجۃ اللہ البالغہ میں بھی شامل ہے) اور "عقد الجید فی أحکام الاجتهاد والتقلید" بڑے فکر انگیز اور لائق مطالعہ ہیں، ہر دور میں امت مسلمہ کی شیرازہ بندی کے سلسلہ میں یہ دونوں رسالے سنگ میل کا کام دے سکتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے فقہی وفکری اختلافات میں راہ اعتدال کی نشان دہی فرمائی ہے اس پر گامزن ہونے کی ضرورت ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہے، دور حاضر میں امت مسلمہ کے شیرازہ کو بکھیرنے اور اسے الگ الگ ٹکڑیوں اور فرقوں میں بانٹنے کی جو کوششیں اور سازشیں چل رہی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ شاہ صاحب کے ان مخلصانہ اور مؤمنانہ افکار کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے، اور ہر قیمت پر امت مسلمہ کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچایا جائے۔ برصغیر (ہند پاک وبنگلہ دیش) میں خاص طور پر فقہی اور فکری اختلافات کو ہوا دے کر اتحاد ملت کے کاز کو نقصان پہونچایا جارہا ہے، ہم میں سے بعض مخلص اور سادہ دل افراد بھی کبھی کبھی دشمنوں کی چالوں کو نہ سمجھ کر ان کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چونکہ برصغیر کے تمام بڑے مدارس، مکاتب فکر اور گروہ اپنا علمی وفکری رشتہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے جوڑتے ہیں، اور انہیں انتہائی عزت واحترام کا مقام دیتے ہیں، اس لئے بجا طور پر امید ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے متعدل افکار ان میں قربت پیدا کرنے کا ذریعہ بنیں گے، اور غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے بادل چھنٹیں گے۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک ممتاز فاضل عزیز مکرم مولوی

فہیم اختر ندوی سلمہ اللہ (مجمع الفقہ الاسلامی الہند) نے فقہی اختلافات کے موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رسالوں اور تحریروں کو پوری طرح پڑھ کر اور انہیں ہضم کر کے زیرنظر رسالہ "**فقہی اختلاف اور شاہ ولی اللہ کا موقف**" ترتیب دیا ہے، اور بڑی سلیقہ مندی اور کامیابی کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کے افکار کی ترجمانی کی ہے۔ انہیں سالہا سال تک فقہ اکیڈمی انڈیا میں ہندوستان کے موقر عالم دین و شریعت اسلامی مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کی سرپرستی اور رہنمائی میں کام کرنے کا جو موقع ملا اس نے ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشا، اور فکر ولی اللہی سے ہم آہنگ کر دیا۔ انہوں نے اس رسالہ میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت جلد پنجم سے بھی استفادہ کیا ہے، جس میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شخصیت اور افکار و کارناموں کا مرقع بڑے اثرانگیز و دلآویز انداز میں پیش کیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ عزیز موصوف کا زیرنظر رسالہ ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا، اور امت مسلمہ کی شیرازہ بندی میں معاون ہوگا۔ میری دعاء ہے کہ مصنف کی یہ کوشش عنداللہ مقبول ہو، اور ان کی علمی وفکری صلاحیتیں مستقبل میں مزید برگ و بار لائیں۔

کتبہ

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۰/۳/۱۴۲۴ھ
۱۳/۵/۲۰۰۳ء

مقدمہ

فکری اعتدال کا شاہکار

دور حاضر کے نازک ترین حالات اس بات کا تقاضہ کر رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اتحاد فکر و عمل پیدا ہو، مختلف بنیادوں پر فرقوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی یہ امت وحدت کلمہ کی بنیاد پر اپنی شیرازہ بندی کرے، اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سازشوں اور حملوں کا مقابلہ کرے۔ قرآن کریم نے امت کی اجتماعیت اور شیرازہ بندی کو کس قدر ضروری سمجھا ہے اور امت کی صفوں میں دراڑ کو کتنا سم قاتل قرار دیا ہے، اس کا اندازہ درج ذیل آیات سے کیا جا سکتا ہے۔

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمة اللّٰہ علیکم اذ کنتم أعداء فألف بین قلوبکم فأصبحتم بنعمته اخوانا (آل عمران:۱۰۳)

(اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم متفق بھی رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو، اور تم پر جو اللہ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم اللہ تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔) (بیان القرآن)

و أطیعو اللّٰہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ریحکم واصبروا ان اللّٰہ مع الصابرین۔ (انفال:۴۶)

(اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جاوے گی اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔) (بیان القرآن)

اس امت کے پاس عقائد، ضروریات دین اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی طویل فہرست ہے جن پر اس امت کے سارے گروہ متفق ہیں، کسی امت کے پاس اتنی متفق علیہ اور مشترک بنیادیں نہیں ہیں جتنی امت مسلمہ کے پاس ہیں، دور حاضر میں ان سے بہت کم مشترک امور اور تصورات کی بنیاد پر بڑے بڑے وفاق تشکیل پا رہے ہیں، جن کے گہرے اثرات عالمی پیمانہ پر مختلف میدانوں میں مرتب ہو رہے ہیں۔

امت مسلمہ کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ اتحاد امت کی بے شمار بنیادیں پائے جانے کے باوجود اس امت کا شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے، اور امت کا کمزور جسم آپس کی فرقہ بندیوں، تفرقہ بازیوں اور باہمی تنازعات سے زار و نزار ہو رہا ہے، ایسے لوگ بہت کم ہیں جو امت مسلمہ کے مختلف مسالک اور گروہوں کے درمیان پائے جانے والے متفقہ امور کو نمایاں کریں اور وحدت کلمہ کی بنیاد پر امت کی شیرازہ بندی کرنے کے لئے فکر مند ہوں، مختلف مسالک اور گروہوں کے درمیان مفاہمت اور باہمی قربت پیدا کرنے کی کوشش کریں، ایک دوسرے کے بارے میں حسن ظن اور اعتماد باہمی کے جذبات کو فروغ دیں، اختلافی امور کے اظہار میں نرمی، رواداری اور حسن تعبیر کی تلقین کریں، اس کے برعکس وہ لوگ بہت زیادہ ہیں جو فکر و مسلک کے غیر اہم جزوی اختلافات کو ہوا دے کر باہمی نزاع کی چنگاریاں بھڑکا کر اس امت مرحومہ کی وحدت و قوت کو زبردست نقصان پہونچا رہے ہیں، گلہ اسلام دشمن طاقتوں کا نہیں، دشمن سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے، اس کا تو سب سے کامیاب حربہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن کی صفوں میں دراڑ پیدا کر دے، نفاق اور بداعتمادی کے بیج بودے۔ گلہ خود اپنوں کا ہے، جو اسلام کی خدمت کے نام پر بسا اوقات جزوی اور فروعی اختلافات کو ہوا دے کر امت کے مختلف فرقوں اور جماعتوں کے درمیان جنگ و جدال کا

ماحول برپا کرتے ہیں، اور دانستہ یا نادانستہ طور پر امت کے شیرازے منتشر کرتے ہیں۔

امت مسلمہ ہندیہ کو چند صدیوں پہلے اللہ جل شانہ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شکل میں ایک عظیم ترین نعمت عطا فرمائی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بے شمار تجدیدی کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے امت کے تمام گروہوں میں اعتدال اور اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ہر گروہ کی غلو پسندیوں اور بیجا تعصّبات پر بھر پور بصیرت افروز تنقید کی۔ ارباب شریعت اور اصحاب طریقت کے آویزش کو کم کرنے بلکہ اسے ختم کرنے کی علمی اور عملی کوششیں کیں۔ شریعت و طریقت کو شیر و شکر کر دیا۔ اجتہاد و تقلید کے مسئلہ میں راہ اعتدال کی رہنمائی فرمائی۔

شاہ صاحب کے دور سے پہلے اور ان کے دور میں ایک طبقہ وہ تھا جو نہ صرف اجتہاد سے گریزاں تھا بلکہ اجتہاد کو ناجائز قرار دیتا تھا، تقلید جامد پر مصر تھا، اور فقہی جزئیات کو نصوص کتاب وسنت کا درجہ دے رکھا تھا۔ دوسرا طبقہ اس کے بالکل برعکس تقلید کو ہر شخص اور ہر طبقہ کے لئے شجرۂ ممنوعہ قرار دے رہا تھا، اور اجتہاد کو ہر کس و ناکس پر لازم کر کے دین کو بازیچۂ اطفال بنانے پر تلا ہوا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اجتہاد و تقلید کے اس معرکہ میں اعتدال کی راہ دکھائی، اور اجتہاد و تقلید کے حدود متعین کئے۔ اس حقیقت کو واضح کیا کہ اجتہاد کوئی شجرۂ ممنوعہ نہیں ہے، بلکہ اجتہاد کا سلسلہ قرب قیامت تک قائم رہے گا، اور امت میں ایسے با صلاحیت اور متقی لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو اجتہادی عمل کو جاری رکھیں گے۔ لیکن اجتہاد ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے، اس کے لئے کچھ شرطوں اور صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح تقلید کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ تقلید ایک انسانی اور فطری ضرورت ہے۔ جن لوگوں میں اجتہاد کی مطلوبہ صلاحیت موجود نہیں انہیں تقلید کے سوا چارہ نہیں۔ لیکن اس طرح کی جامد تقلید کہ فقہاء کی جزئیات وفروعات کو کتاب وسنت کا مقام دے دیا جائے، اور آنکھیں بند کر کے ان جزئیات کو اتنی مضبوطی سے پکڑا جائے کہ حالات جو بھی ہوں، عرف و رواج میں جو تبدیلیاں ہوتی چلی جائیں، ان جزئیات سے سرمو

انحراف نہیں کیا جائے گا، کسی طرح درست نہیں۔ انہوں نے بہت وضاحت اور صفائی کے ساتھ یہ بات لکھی کہ فقہی جزئیات ومسائل کو کتاب وسنت پر پیش کرنے کا سلسلہ برابر جاری رہنا چاہیے۔ اور جزئیات ومسائل کا تنہا مطالعہ کرنے کے بجائے کتاب وسنت کے ساتھ ان کے ربط اور طریقۂ استنباط کا جاننا علماء کے لئے بے حد ضروری ہے۔

اس موضوع پر حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو سالے: (۱) ”عقد الجید فی أحکام الاجتہاد والتقلید“، (۲) ”الانصاف فی بیان سبب الاختلاف“ بڑے بصیرت افروز اور چشم کشا ہیں۔ اسی طرح حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ صاحب نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے علم وتحقیق اور فکری اعتدال کا شاہکار ہے۔

اسلامیان ہند کے تمام مسالک وگروہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے اپنا انتساب کرتے ہیں، اور ان کو اپنا بڑا مانتے ہیں۔ ان کے علوم وافکار سے اپنے فکر ومسلک کا رشتہ جوڑتے ہیں۔ لیکن یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے انصاف واعتدال کی جو راہ دکھلائی تھی اس سے ہم لوگ دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اساسیات دین اور ضروریات دین پر زیادہ توجہ دینے کے بجائے اختلافی فروعی مسائل زیادہ مرکز توجہ بن چکے ہیں۔ ہر گروہ دوسرے کے استخفاف واستہزا کو اپنا وطیرہ بنائے ہوئے ہے۔ امت مسلمہ کی مشترکہ بنیادوں اور متفقہ نکات کو اجاگر کرنے کے بجائے فروعی مسائل کو زیادہ اہمیت دے کر اور ان کے نام پر اکھاڑہ برپا کر کے امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا جا رہا ہے۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اجتہاد وتقلید کے جس قضیہ پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار اظہار خیال کیا اور راہ اعتدال کی نشان دہی کی، خود شاہ صاحب کو اس قضیہ کا ایک فریق بنایا جانے لگا۔ ایک گروہ انہیں کٹر حنفی اور نرا مقلد ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے تو دوسرا انہیں ابن حزم کی طرح تقلید کو حرام قرار دینے والوں کی صف میں شامل کرنے پر بضد ہے۔

دور حاضر میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اصلاحی اور

تجدیدی افکار کو بار بار لوگوں کے سامنے لایا جائے، اور امت کی شیرازہ بندی میں شاہ صاحب کے قیمتی افکار و نظریات سے مدد لی جائے۔

ہمیں انتہائی مسرت ہے نوجوان ہونہار فاضل عزیز گرامی مولانا محمد فہیم اختر ندوی (جنہیں ایک مدت تک فقیہ امت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے زیر سایہ اسلامی فقہ اکیڈمی (انڈیا) میں علمی و تحقیقی کاموں کو انجام دینے کا موقع ملا) نے اجتہاد و تقلید اور ان سے مربوط دوسرے مسائل کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات و رسائل سے ان کا نقطۂ نظر جاننے اور سمجھنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور اس موضوع پر انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے افکار و خیالات کا نچوڑ اپنے رسالہ ''**فقہی اختلاف اور شاہ ولی اللہ کا موقف**'' میں بڑی خوبصورتی اور سلیقہ مندی سے پیش کر دیا۔ اس رسالہ کو حرف بحرف پڑھ کر میں نے بعض مقامات پر کچھ جزوی تبدیلیوں کا مشورہ دیا جنہیں مؤلف نے بطیب خاطر قبول کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ رسالہ اپنے موضوع پر چشم کشا اور بصیرت افروز ہے، اور اس قابل ہے کہ امت مسلمہ کے مختلف حلقوں میں توازن واعتدال پیدا کرنے اور انہیں قریب لانے کے لئے اس کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور ان کے رہوار قلم کو خدمت دین کے مختلف میدانوں میں جاری وساری رکھے۔

عتیق احمد قاسمی

دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مقدمہ

کتاب وسنت کی طرف رجوع

اسلام کے عقائد اور اس کی بنیادی تعلیمات بالکل واضح ہیں اور ان پر جمہور امت کا اتفاق ہے۔ اسلام نے جو نظام شریعت عطا کیا ہے وہ عبادات، اخلاق، معاشرت، معیشت، حدود وتعزیرات، قانون و سیاست غرض پوری انفرادی واجتماعی زندگی پر حاوی ہے۔ زندگی کے بعض شعبوں میں خود شریعت نے بڑی حد تک تفصیلات فراہم کردی ہیں اور بعض کے سلسلے میں اصولی ہدایات دی ہیں، ان کی روشنی میں فقہاء وعلماء امت نے مزید تفصیلات مرتب کی ہیں، ان میں کہیں اتفاق ہے اور کہیں اختلاف پاتا جاتا ہے۔ یہ اختلاف الفاظ شریعت کے معنی ومفہوم، ان کی قانونی حیثیت، ان کی حکمت ومعنویت اور نئے مسائل پر ان کے انطباق جیسے امور میں ہوا۔ اور کبھی اختلاف کی نوعیت یہ رہی ہے کہ کس حکم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کس طرح عمل کیا؟

احکام شریعت کے فہم میں اختلاف کا خود رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ثبوت ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس کی تحسین فرمائی۔ صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی یہ اختلاف رہا ہے۔ بعد میں اس بنیاد پر متعدد مدارس اور مکاتب فکر وجود میں آئے لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ان میں سے بیشتر کا وجود برقرار نہیں رہا۔ البتہ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد ابن حنبلؒ اور ان کے تلامذہ اور منتسبین کی فقہ پر جو مکاتب قائم ہوئے انہیں خاص شہرت حاصل ہوئی اور سارے عالم اسلام میں ان کی درس

وتدریس ، بحث ومباحثہ ،تصنیف وتالیف اور تحقیق وتنقیح کا سلسلہ جاری رہا۔اورامت کی بہت بڑی اکثریت کومسائل شریعت میں ان مکاتب فقہ پر اعتماد رہا،اس نے اس دائرے سے باہر نکلنے کی کم ہی ہمت کی۔اس کے ساتھ یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ امت کے ایک طبقہ نے ان مکاتب فقہ کو تسلیم نہیں کیااور قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ کوضروری سمجھا۔فقہ اسلامی کے ان مختلف مکاتب کے درمیان جواختلافات ہیں ان کے مطالعے سے دو حقیقتیں واضح ہوکر سامنے آتی ہیں: ایک یہ کہ یہ اختلافات زیادہ تر جزوی اور فروعی ہیں ، یہ کفر وایمان یا حق و باطل کا اختلاف نہیں ہے،دوسرے یہ کہ ہراختلاف کے پیچھے لازماً کتاب وسنت کی دلیل موجود ہے،کوئی اختلاف بے دلیل نہیں ہے،ان میں صرف ترجیح کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے کون سی دلیل قوی ہے اور کون سی ضعیف اور کمزور۔

دور اول میں فقہی اختلافات اپنے فطری حدود میں رہے اور مختلف مکاتب فقہ کے درمیان اخذ واستفادہ اوراحترام کا جذبہ بھی رہا،لیکن آہستہ آہستہ ان اختلافات نے تعصب اور تحزب کی شکل اختیار کرلی اورایک نے دوسرے کے مسلک کورد کرنا اپنا فرض سمجھ لیا۔اس سے امت کی وحدت کوسخت نقصان پہنچا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فقہی اختلاف کی اسی فضاء اوراسی ماحول میں آنکھیں کھولیں،انھوں نے ان مکاتب فقہ کا بہت تفصیل سے اور گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیااوراس نتیجے پر پہنچے کہ فقہی اختلافات کوان چاروں مکاتب فقہ میں محدود ہونا چاہیئے،اس لئے کہ ان پر امت کا اعتماد ہے اور صحیح نقطہ نظران کے اندر تلاش کیا جاسکتا ہے۔اختلافات کے دائرہ کوزیادہ وسعت دینے میں امت کے اندرانتشار کا خدشہ ہے۔اس کے ساتھ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان اختلافات کو کتاب وسنت کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے اور جومسلک کتاب وسنت کے مطابق ہواس کو اختیار کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہیئے اور جس مسئلہ میں دونوں طرف دلائل ہوں اسے جائز اختلاف تصور کیا جائے اور دونوں کی گنجائش رکھی جائے۔یہ اصلاً کتاب وسنت کی طرف رجوع کی دعوت

ہے۔ اگر اسے اپنایا جائے تو اس میں شک نہیں کہ یہ اختلافات کم ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ ابھر سکتا ہے، اور امت کے اندر اتحاد کی راہ کھل سکتی ہے۔

مولانا محمد فہیم اختر ندوی کا خاص موضوع فقہ ہے، اس موضوع پر ان کی نگارشات سامنے آتی رہتی ہیں۔ اسی مناسبت سے انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ کے فقہی نقطہ نظر کا پیش نظر کتاب میں تفصیل سے مطالعہ کیا ہے، اور اپنا مطالعہ سلیقے سے اور مرتب انداز میں پیش کیا ہے۔ اس سے فقہ کے میدان میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے کام کی قدر و قیمت بھی واضح ہوتی ہے اور فقہی اختلافات کے سلسلہ میں ایک معتدل موقف سامنے آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس کے بندوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔

۱۰/۱اکتوبر ۲۰۰۳ء　　　　جلال الدین (انصر عمری)

مقدمہ

امت کو فکر صحیح کی دعوت

اللہ تعالی نے جس دن سے کائنات کی اس بستی کو انسانیت سے بسایا ہے، اسی وقت سے زندگی گذارنے اور اس کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرنے اور برتنے کے سلسلہ میں ہدایات بھی دی ہیں، یہی ہدایات ہیں جن کو قرآن وحدیث میں دین اور شریعت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے جسم انسانی کی نشو ونما کے ساتھ ساتھ لباس بڑا ہوتا جاتا ہے اور پھر جب انسان شباب کی منزل پر پہنچتا ہے اور اس کا جسم کمال وپختگی کی آخری حد کو چھو لیتا ہے تو اب جو لباس اس کے جسم کو موزوں ہوتا ہے، آخری عمر تک اس میں کمی اور اضافے کی ضرورت نہیں رہتی اسی طرح انسانی تمدن جب تک ناپختہ و ناتمام تھا، تو نبوت کا سلسلہ جاری تھا اور ایک شریعت کی جگہ دوسری شریعت انسان کے لئے بھیجی جاتی تھی۔ خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ اس وقت مبعوث ہوئے جب انسانی تمدن گویا اپنے شباب وکمال کو پہنچ چکا تھا۔ اس لئے جو شریعت آپ کے ذریعہ بھیجی گئی وہ انسانیت کے لئے قیامت تک کافی وشافی رہے گی۔ اور اس کی مثال اس لباس زیبا کی ہے جو عہد جوانی سے تادم آخریں جسم انسانی پر اپنی موزونیت کو برقرار رکھتا ہے۔

پھر غور کریں تو انسان کی بنیادی فطرت میں تو تغیر وتبدیلی شاید ہی پیش آتی ہو۔ لیکن نئے وسائل پیدا ہوتے ہیں، رواجات بدلتے ہیں، اخلاقی اور سیاسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ اس لئے جو شریعت قیامت تک کے لئے ہو، ضروری ہے کہ وہ بہ یک وقت ثبات اور تغیر دونوں کے لئے موقع فراہم کرتی ہو۔ کچھ احکام ناقابل تبدیل ہوں جو شریعت کی حدود اربعہ کی حیثیت رکھتی

ہوں، اور کچھ تغیر پذیر، جو مختلف عہد اور حالات کے تقاضوں کو قبول کرنے کی گنجائش فراہم کرتے ہوں، چنانچہ شریعت اسلامی میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت موجود ہے۔

کچھ احکام قطعی ہیں، ثبوت کے اعتبار سے یقینی اور وضاحت کے اعتبار سے ابہام و اشتباہ سے ماوراء۔ ایسے مسائل میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو ظنی کہلاتے ہیں، جن میں ایک سے زیادہ آراء کی گنجائش ہے، اس لئے کہ ان کا ذریعہ ثبوت یقینی نہیں ہے، یا معنی و مفہوم کے اعتبار سے ایک سے زیادہ تشریح و توضیح کی گنجائش ہے۔ تیسری قسم کے احکام وہ ہیں جن کو مصلحی کہا جاسکتا ہے، یعنی شریعت کے مقاصد و مصالح اور لوگوں کی ضروریات اور حالات کو سامنے رکھ کر آراء قائم کی گئی ہوں۔ اور قرآن وحدیث میں ان احکام کے سلسلہ میں کوئی تعیین وتحدید نہ پائی جاتی ہو۔

یہ دونوں طرح کے احکام دراصل اجتہاد کا محل ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ نے ایسے امور میں اجتہاد کی اجازت دی ہے۔ اجتہاد مخلصانہ طور پر قوت فکریہ کے استعمال سے عبارت ہے۔ اور جہاں بھی انسان کو قوت فکریہ کے استعمال کا موقع دیا جائے گا، وہاں اختلاف رائے کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے، خواہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا۔ اسی لئے شریعت کے ظنی اور مصلحی احکام میں بہت سے مواقع پر نقطہ نظر کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف اگر اخلاص پر مبنی ہو اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہو تو یہ محمود ہے نہ کہ مذموم، اور پسندیدہ ہے نہ کہ ناپسندیدہ۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اختلاف رائے کے اظہار میں عدل ہو، اعتدال ہو، دوسری رائے کا احترام ہو اور منصوص اور غیر منصوص امور کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ لیکن افسوس کہ کم علمی، تنگ نظری اور اصرار کی وجہ سے ہر عہد میں لوگوں کی ایک خاصی تعداد اس بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہوتی رہی ہے۔

حقیقت پسند اور شریعت کے مزاج شناس علماء نے ہمیشہ اس افراط و تفریط کو ناپسند کیا ہے، اور امت کو فکر صحیح کی دعوت دی ہے۔ ان اہل علم میں ایک نہایت ہی ممتاز نام حضرت الامام

شاہ ولی اللہ دہلوی کا ہے، وہ ایسے عہد میں پیدا ہوئے جب فقہی جمود اور مسلکی تعصب اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا تھا۔ اور ہندوستان کے درسی افق پر قرآن وحدیث کی جگہ معقولات کی تیرہ گھٹائیں مسلط ہو چکی تھیں۔ شاہ صاحب نے اپنی طبعی افتاد، فطری نجابت، خاندانی ماحول، علماء ہند اور علماء حجاز دونوں سے استفادہ اور حنفی اور شافعی دونوں سرچشموں سے سیرابی کے باعث اپنے لئے انصاف و اعتدال کی راہ منتخب کی۔ جمود و تنگ نظری کی دبیز چادر کو حکمت و مصلحت کے ساتھ کاٹنے کی کوشش کی اور ہندوستان کے دبستان علمی کا رشتہ قرآن وحدیث کے چشمہ صافی سے جوڑا۔ اس کے لئے انہیں بہت کچھ سہنا پڑا، اور آبلہ پائی کرنی پڑی۔ لیکن شاہ صاحب کی اس تحریک نے ہندوستان میں صور اسرافیل کا کام کیا، جس کے نقوش آج نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا میں بہ چشم سر دیکھے جاسکتے ہیں۔

افسوس کہ اس افراط وتفریط کی کیفیت آج بھی بہت سے لوگوں میں اس قدر راسخ ہے کہ بعض نے اپنے دبستان فقہ کو شریعت کا مترادف سمجھ لیا ہے، اور بعض وہ آوارہ فکر ہیں جو تجدید و اجتہاد کے نام پر شریعت کا قلادہ نکال پھینکنے اور ائمہ متبوعین اور سلف صالحین پر طعن و تشنیع کرنے پر کمربستہ ہیں۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہ صاحب کی فکر اعتدال کو پیش کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔

میرے لئے مقام مسرت ہے کہ عزیز گرامی قدر جناب مولانا فہیم اختر ندوی (انچارج شعبہ علمی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) نے شاہ صاحب کی اس فکر کو خوش سلیقگی کے ساتھ اور سہل اسلوب میں مرتب کیا ہے، اور کوشش کی ہے کہ شاہ صاحب کے الفاظ ہی میں ان کی فکر کا عطر کشید کر لیا جائے۔ شاہ صاحب نے اس موضوع پر بہت لکھا ہے، اور مختلف کتابوں میں یہ مواد بکھرا ہوا ہے، عقد الجید، الانصاف، اور حجۃ اللہ البالغہ کے علاوہ مسوی، مصفی اور مختلف کتابوں میں ان کی یہ فکر اس طرح سموئی ہوئی ہے، جیسے چنبیلی میں اس کی خوشبو، اور گلاب کی پتیوں میں اس کی خوش رنگی، اسی لئے اس موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے ضروری تھا کہ شاہ صاحب کی

تمام تحریروں کو سامنے رکھا جائے۔ بحمد اللہ مولانا موصوف نے اس کو ملحوظ رکھا ہے۔ وہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے لائق فاضل اور حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے خاص تربیت یافتہ ہیں اور ماشاء اللہ فقہ اسلامی سے مناسبت، فہم رسا اور سخن دلنواز کے مالک ہیں۔

اس حقیر کو اس پورے رسالہ سے استفادہ کا موقع تو نہیں مل سکا، لیکن جا بجا دیکھنے کا موقع ملا، اور محب گرامی حضرت مولانا عتیق احمد صاحب نے تو اسے حرفاً حرفاً پڑھا ہے، اس لئے مجھے اس کے بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر ہونے کا یقین ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالی مولف کی اس خدمت کو قبول فرمائے، اور ان کا قلم کبھی تعب و تھکن سے آشنا نہ ہو۔ و باللہ التوفیق وھو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

۲۳؍رجب ۲۴ھ

۲۱؍ستمبر ۲۰۰۳ء

پہلا باب:

اسلامی شریعت اور فقہی اختلاف

اسلامی شریعت اور فقہی اختلاف

آسان شریعت

اسلامی شریعت کے اندر دو خصوصیات نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں، ایک جامعیت اور دوسری اعتدال۔ ایک طرف یہ شریعت ایسی ہمہ گیر جامعیت رکھتی ہے کہ اس میں نہ دین اور دنیا کے درمیان فرق ہے، اور نہ روحانیت اور مادیت کے درمیان تفریق۔ یہ فرد کی انفرادی زندگی کو بھی روشنی دیتی ہے، اور جماعت کی حیات کے اجتماعی شعبوں کے لئے بھی مکمل نظام رکھتی ہے۔ دوسری جانب یہ محفوظ آخری شریعت اپنے اندر حسین اعتدال رکھتی ہے، جس میں آزادی بھی ہے اور پابندی بھی، صلابت و پختگی بھی ہے اور لچک اور نرمی بھی، اس میں حجت و برہان کی عقلی پرواز بھی ہے اور تسلیم و رضا کی قلبی سرافگندگی بھی۔

جامعیت اور اعتدال کی یہ شاہراہ بڑی آسان ہے اور انسانی فطرت سے ہم آہنگ۔

اللہ تعالی نے فرمایا:

وماجعل علیکم فی الدین من حرج (۱)

(اور اس نے تم پر دین میں تنگی نہیں رکھی ہے)

اور ارشاد فرمایا:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (۲)

(اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا ہے)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

" ان الدين يسر ولن يشاد الدين احد الا غلبه ، فسددوا وقاربوا وابشروا واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة، وفي رواية : القصد القصد تبلغوا "(۳)

(دین آسان ہے اور جو بھی دین میں سختی کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا، لہذا سیدھے رہو، قریب قریب رہو، خوشخبری لو، صبح اور شام اور کچھ رات کے حصہ سے مدد لو، ایک روایت میں ہے: میانہ روی اختیار کرو منزل کو پہنچ جاؤ گے)۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے لئے یہی راہ منتخب فرمائی:

"ما خير رسول الله ﷺ في امرين الا اختار ايسرهما ما لم يكن اثما "(۴)

(جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ ان دونوں میں سے آسان کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو)۔

رسول اکرم ﷺ کے اصحاب صدق وصفا بھی اسی شاہراہ روشن کے رہرو رہے:

" كانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمقها علما واقلها تكلفا ، اختارهم الله لصحبة نبيه "(۵)۔

(وہ امت میں سب سے افضل تھے، سب سے زیادہ نیک دل، عمیق علم اور کم تکلف والے تھے، اللہ نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے انہیں چن لیا تھا)۔

دو پہلو۔ثبات اور تغیر:

قرآن کریم اسلامی علوم کا پہلا سرچشمہ ہے۔اور حدیث نبوی اس کی شرح ہے۔اور نبی کریم ﷺ کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر ہے (٦) ۔ قرآن اور سنت کے اس خاکہ میں دو باتیں واضح ہیں :

پہلی یہ کہ اسلام کے بنیادی عقائد، حلال وحرام امور، عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے اصول پوری طرح نمایاں کردیئے گئے ۔ چنانچہ اللہ کی ذات وصفات، اس کی وحدانیت، نبوت کی صداقت، قرآن اور آخرت کی حقانیت وغیرہ سے متعلق عقائد پوری طرح متعین ہیں۔ حلال وحرام میں ایک طرف شراب، خنزیر، سود اور زنا کی حرمت واضح ہے۔اور دوسری طرف تمام پاکیزہ غذائیں، تجارت کی نوع بہ نوع قسمیں اور نکاح سے قائم ہونے والے رشتے حلال ہیں۔ اسی طرح نیکی و بھلائی، دوسروں کی مدد و خیر وخواہی اور صحیح طریقہ پر اپنی جائز ضروریات کی تکمیل درست ہیں۔اور جھوٹ، دھوکہ دہی، حق تلفی، ایذارسانی اور ظلم غلط ہیں۔عبادات کے اندر فرض نمازوں کے اوقات اور ان کی تعداد، روزہ کے ایام اور احکام، زکاۃ کی فرضیت اور اس کی مقدار اور حج وعمرہ کی عبادت پوری امت میں یکساں تسلیم شدہ ہیں ۔ معاملات کے اندر وعدہ کی پاسداری، باہمی رضامندی، استحصال سے گریز اور عدل وانصاف میں کہیں کوئی اختلاف وابہام نہیں ہے۔اور اخلاقیات کے باب میں غریبوں کی مدد، تمام مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک، اچھے کاموں کی اشاعت اور برائیوں کی ممانعت کے اصول بالکل طے شدہ ہیں۔ یہ اسلامی خاکہ کی پہلی حقیقت ہے کہ مذکورہ بالا امور وضاحت کے ساتھ طے کردیئے گئے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ زندگی کے تغیرات، بدلتے عرف ورواج اور ہر خطہ ءزمین کے علاحدہ تقاضوں کے ساتھ اسلامی شریعت کو ہم آہنگ رکھنے کے لئے اس خاکہ میں دو مخصوص عنصر رکھے گئے۔ایک یہ کہ زمانہ جن امور میں تبدیلی کا تقاضا کرتا تھا ان میں جزوی تفصیلات کی تعیین

نہیں کی گئی، بلکہ صرف اصولی رہنمائی کردی گئی اور یہ اختیار دیا گیا کہ اصولی ہدایات کی روشنی میں ہر دور کے عرف اور تقاضوں کی رعایت کے مطابق ان کی عملی تفصیلات طے کرلی جائیں۔

دوسرے یہ کہ فروعی مسائل میں عمل کی کسی ایک شکل کا پابند نہیں کیا گیا، چنانچہ بعض اوقات ایک ہی عمل کی ادائیگی مختلف شکلوں میں کی گئی اور امت کے لئے یہ سہولت مہیا رکھی گئی کہ وہ جس شکل کو چاہے اختیار کرے، شریعت کے نزدیک وہ عمل مکمل سمجھا جائے گا۔ چنانچہ نماز کے سنن و مستحبات، وضو کے بعض احکام، وضو ٹوٹنے کی بعض صورتیں، طلاق کے کچھ مسائل، تجارت و کاروبار میں سامان پر قبضہ کرنے اور معاوضہ کی ادائیگی کے طریقے، رہن سہن اور لباس و پوشاک کے انداز، تعلیم و تدریس اور تکلم کے طرز وغیرہ وہ احکام جن میں اہل علم کے درمیان اختلاف آراء ملتا ہے، دراصل انہی دونوں عناصر سے تعلق رکھتے ہیں۔

اسلامی شریعت کا یہ خاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا، اور ان سے تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کی راہ سے ہوتا ہوا ہر دور کے سلف صالحین کے ذریعہ آج تک پہنچا اور قیامت تک باقی رہے گا۔

دو قسم۔ اصولی احکام اور فروعی مسائل

اسلامی شریعت کا بڑا حصہ وہ ہے جس میں صرف اصولی ہدایات دی گئی ہیں، بہت ہی چھوٹے حصہ میں فروعی اور جزوی مسائل کی تعیین کی گئی ہے۔ ہر دور کے اہل علم ان اصولی ہدایات کی روشنی میں تفصیلات کی تعیین کرتے ہیں۔ ایسا کرتے وقت ان میں اختلاف رائے ہوتا ہے، کبھی اس لئے کہ قرآن و سنت کے جن نصوص کی روشنی میں وہ احکام متعین کرتے ہیں ان میں ایک سے زائد معنی و مفہوم کا احتمال ہوتا ہے، کبھی اس وجہ سے اختلاف رائے ہوتا ہے کہ ایک ہی مسئلہ کے بارے میں دو قسم کی ہدایات بظاہر ٹکرا رہی ہوتی ہیں اور ان دونوں میں تطبیق یا ایک پر دوسرے کی ترجیح میں رائے علاحدہ ہوجاتی ہے، اور بسا اوقات اختلاف رائے کی وجہ یہ ہوتی ہے

کہ درپیش مسئلہ نیا ہوتا ہے اور قرآن وسنت کے ذخیرہ میں اس کا کوئی واضح حکم نہیں ملتا تو اس موقع پر اہل علم دوسرے ثانوی دلائل اور استدلال کے ذریعہ اجتہاد سے حکم متعین کرتے ہیں، اور اجتہاد علاحدہ علاحدہ ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا نوعیت کے اختلاف آراء صرف فروعی مسائل میں پیش آتے ہیں، اصولی اور بنیادی مسائل میں اتفاق رہتا ہے۔ فروعی مسائل میں یہ اختلاف رائے ناگزیر ہے، اور اس میں اللہ کی عظیم حکمت اور بڑی مصلحت کارفرما ہے، یہ اختلاف رائے کوئی اتفاقی حالات کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ قرآن وحدیث کے ذخیرہ احکام کے گہرے اور ہمہ گیر مطالعہ کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہی اللہ کی مشیت رہی ہے، اور عہد نبوی سے ہی ایسے واقعات، ایسی مثالیں اور ایسی صراحتیں سامنے آتی رہی ہیں جن کی روشنی میں فقہی اختلاف کی ضرورت ومعقولیت، اس کی معنویت وافادیت، اس کے اسباب اور اس کے حدود وآداب نمایاں ہوتے رہے ہیں۔

عہد نبوی میں اختلاف رائے

عہد نبوی میں متعدد ایسے واقعات پیش آئے جن میں صحابہ کرام کے درمیان بعض مسائل کی تفہیم میں اختلاف رائے ہوا، لیکن نبی اکرم ﷺ نے ایسے واقعات میں اختلاف رائے پر نکیر نہیں فرمائی، اور بہت سے فروعی مسائل ومعاملات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود رسول اللہ ﷺ سے عمل میں توسع نقل کیا ہے۔ اس لئے جن فروعی مسائل میں دلیل کی بنیاد پر علاحدہ علاحدہ رائیں بیان ہوئی ہیں وہ سب آراء درست ہیں اور شریعت کا حصہ ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بتایا ہے کہ فقہی اختلاف میں ایک صورت یہ ہے کہ دو قول یا دو عمل میں سے ہر قول وعمل جائز ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی تائید فرمائی ہے، اسی قسم میں اذان اور اقامت کے طریقے، دعائے استفتاح وتشہد، نماز خوف، عیدین کی تکبیرات، جنازہ کی تکبیرات وغیرہ وہ تمام مسائل آتے ہیں جن میں ہر دو شکل کو

درست قرار دیا گیا ہے، ان میں صرف افضلیت کا فرق ہوسکتا ہے۔ ....اس نوع کے اختلاف میں ہر دو نقطہ نظر درست ہے اور کسی بھی نقطہ نظر کی مذمت نہیں کی جاسکتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جب درختوں کے کاٹنے کے مسئلہ میں اختلاف ہوا اور کچھ صحابہ کرام نے درختوں کو کاٹا اور کچھ دوسرے صحابہ نے نہیں کاٹا تو اللہ رب العالمین نے قرآن کی آیت نازل کر کے دونوں فریق کی تائید فرمائی۔ (۷)

وہ آیت کریمہ ہے:

مـاقـطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله(۸)

(تم لوگوں نے کھجوروں کے جو درخت کاٹے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، یہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا)

غزوہ احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ :

لا يصلين احد الا في بني قريظة

(ہر شخص عصر کی نماز بنو قریظہ میں ہی پڑھے)

صحابہ روانہ ہوئے تو راستہ میں ہی عصر کا وقت ہوگیا، کچھ صحابہ نے کہا کہ ہم تو بنو قریظہ میں ہی نماز پڑھیں گے، کچھ دوسرے صحابہ نے کہا: آپ ﷺ کی مراد ہم سے یہ نہیں تھی، چنانچہ ان صحابہ نے راستہ میں عصر پڑھی، جب آپ ﷺ کو اس اختلاف کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے دونوں کی تائید فرمائی (۹)۔

اسی طرح دو صحابی کسی سفر میں نکلے، راستہ میں نماز کا وقت ہوا، ان کے پاس پانی نہیں تھا، دونوں صحابہ نے نماز پڑھ لی، پھر نماز کا وقت باقی رہتے ہی انھیں پانی مل گیا تو ان دونوں میں سے ایک صحابی نے نماز دوہرالی، دوسرے صحابی نے نماز نہیں دوہرائی، رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی تائید فرمائی، جس نے نماز دوہرائی تھی اس سے فرمایا: تم نے سنت کے مطابق کیا اور تمہاری نماز

اداہوگئی اور دوسرے صحابی سے فرمایا: تمہارے لئے دوہرا اجر ہے۔ (۱۰)

عہد نبوت اور عہد صحابہ کی ان تفصیلات سے واضح طور پر طے ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت درج ذیل حقائق پر مشتمل ہے:

۱۔ بنیادی احکام کی تعیین

قرآن وسنت میں بنیادی اور اصولی احکام واضح اور متعین ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الحلال بین والحرام بین (۱۱)

(حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے)

اور ارشاد ہے:

وایم اللہ لقد ترکتکم علی مثل البیضاء لیلھا ونھارھا سواء (۱۲)

(خدا کی قسم! میں نے تمھیں ایک روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس کی رات اور دن دونوں برابر ہیں۔)

۲۔ فروعی مسائل میں یکسانیت غیر مطلوب

فروعی مسائل میں وحدت و یکسانیت نہ مشیت الٰہی رہی ہے اور نہ رسول برحق ﷺ نے اس کی کوشش فرمائی ہے۔

چنانچہ ایک طرف خود رب العالمین نے بیشتر فروعی اور تفصیلی احکام کو اس طرح صراحت کے ساتھ متعین نہیں فرمایا جس طرح بعض بنیادی احکام اور عموماً اصولی احکام کو متعین طور پر بیان فرمایا، حالانکہ یہ بات پوری طرح ممکن تھی کہ تمام احکام شریعت کو ان کی

جزوی تفصیلات اور پوری صراحت کے ساتھ قطعی صورت میں قرآن اور حدیث کے اندر محفوظ کردیا جاتا، تاکہ کسی مسئلہ میں اختلاف فہم کی گنجائش نہیں رہتی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

دوسری طرف عہد نبوی میں صحابہ کرام کے درمیان جن مسائل اور واقعات میں فہم ورائے کا اختلاف ہوا جن کی کچھ مثالیں اوپر ذکر کی گئی ہیں، ان واقعات میں رسول اللہ ﷺ نے فریقین میں سے کسی فریق کو غلط نہیں ٹھہرایا بلکہ دونوں کی تائید فرمائی۔

امام ابوبکر ابن العربی نے مذموم اختلاف اور مفید ونافع اختلاف کے درمیان نمایاں فرق کرتے ہوئے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ رب العالمین کا حکم ہے:

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا (۱۳)

(سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو)

اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ عقائد میں اختلاف نہ کرو، یا باہم حسد نہ کرو، یا مطلب یہ ہے کہ فروعی مسائل میں ایک دوسرے کو غلط مت کہو، بلکہ ہر شخص اپنے اجتہاد پر عمل کرے، کیونکہ سب کے سب اللہ ہی کی رسی کو تھامے ہوئے ہیں، اور اللہ کی دلیل پر عمل کررہے ہیں، ممنوع وہ اختلاف ہے جو فتنہ اور انتشار پیدا کرے، جہاں تک فروعی مسائل میں اختلاف کی بات ہے تو وہ تو شریعت کے محاسن میں سے ہے۔ (۱۴)

۳۔ فروعی اختلاف باعث سہولت

فروعی مسائل میں اختلاف آراء امت کے حق میں باعث آسانی وسہولت ہے۔

چنانچہ اسی اختلاف آراء کا نتیجہ ہے کہ ہر دور کے پیچیدہ مسائل میں اور ہر علاقہ کے علاحدہ علاحدہ عرف ورواج میں لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا ہوتی رہی ہیں اور انھیں کسی تنگی میں

پڑکر شریعت کا قلادہ ہی گردن سے اتار پھینکنے کی ضرورت نہیں پیش آئی جیسا کہ دوسرے مذاہب میں ہوا۔ بلکہ اگر ایک مسئلہ میں ایک رائے پر عمل سے دشواری پیدا ہوئی تو دوسری رائے کے ذریعہ آسانی حاصل ہوگئی، اور شریعت کے احکام پر عمل جاری رہا۔

اسی لئے پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا:

ماسرنی لو ان اصحاب محمد لم یختلفوا ، لانهم لو لم یختلفوا لم تکن رخصة (۱۵)

(مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں اختلاف نہ ہوا ہوتا ، کیونکہ اگر ان میں اختلاف نہ ہوتا تو رخصت نہ مل پاتی ۔)

اور حافظ سیوطیؒ نے فرمایا کہ:

اعلم ان اختلاف المذاهب فی هذه الملة نعمة کبیرة و فضیلة عظیمة (۱۶)

(جاننا چاہیئے کہ اس امت میں مذاہب کا اختلاف ایک بڑی نعمت اور بہت بڑی فضیلت ہے)

عہد صحابہ کے بعد اختلاف رائے

فروعی مسائل میں اختلاف رائے عہد نبوت میں صحابہ کرام کے درمیان متعدد مسائل میں پیش آیا تھا۔ عہد صحابہ میں جب حالات وواقعات پر احکام شرع کی تطبیق کی گئی تو ایسے فروعی اختلاف رائے کا تناسب بڑھتا گیا۔ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں جب نئے مسائل کی کثرت ہوئی اور ان نئے حالات وواقعات کے لئے احکام شریعت کا استنباط کیا گیا تو متعدد علمی

اسباب کی بناء پر جن کی کچھ تفصیل آگے آ رہی ہے ان ہی فروعی مسائل میں اور زیادہ وسیع پیمانہ پر آراء کا فرق اور نقطہء نظر کا اختلاف واقع ہوا، اور پھر مستنبط احکام کا یہ ذخیرہ جب ان کے تلامذہ کے واسطوں سے منتقل ہوا تو فروعات کا یہ اختلاف ان ائمہ کی جانب منسوب ہو کر فقہی مسالک کی شکل میں ظاہر ہوا۔

عہد صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس وسیع اختلاف رائے کے باوجود درج ذیل امور پوری طرح واضح اور نمایاں نظر آتے ہیں جو دراصل اسلامی شریعت کے جامع و معتدل خاکہ کا حسین عکس ہیں:

۱۔اختلاف صرف فروعات میں

اختلاف رائے فروعی مسائل میں پیش آیا، بالخصوص جن مسائل میں صحابہ کرام کے مختلف اقوال موجود تھے۔

علامہ حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

وقد وقع الاختلاف فی الفروع بین الصحابة رضی الله عنهم، وهم خیر الامة فما خاصم احد منهم احدا ولا عادی احد احدا ولا نسب احد احدا الی خطا ولا قصور (۱۷)

(فروعی مسائل میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف پیش آیا، وہ خیر امت تھے، لیکن ان میں سے کسی نے کسی کے ساتھ جھگڑا نہیں کیا، نہ کسی نے کسی دوسرے کے ساتھ دشمنی کی اور نہ ہی کسی نے کسی کو غلطی یا کوتاہی کی طرف منسوب کیا)

۲۔ ہر رائے کے ساتھ دلیل

اختلاف رائے میں ہر نقطہء نظر دلیل شرع پر مبنی تھا اور بیشتر مسائل میں اختلاف محض اولی اور افضل کی تعیین کا تھا۔

شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے:

اکثر صور الاختلاف بین الفقهاء لا سیما فی المسائل التی ظهر فیها اقوال الصحابة فی الجانبین کتکبیرات التشریق وتکبیرات العیدین ونکاح المحرم وتشهد ابن عباس وابن مسعود والاخفاء بالبسملة وبآمین والاشفاع والایتار فی الاقامة ونحو ذلك انما هو فی ترجیح احد القولین، ولان السلف لایختلفون فی اصل المشروعیة، وانما کان خلافهم فی اولی الامرین، ونظیره اختلاف القراء فی وجوه القراءة، وقد عللوا کثیرا من هذا الباب بان الصحابة مختلفون وانهم جمیعا علی الهدی (۱۸)

(فقہاء کے درمیان اکثر اختلاف کی صورتیں بالخصوص ان مسائل میں جن میں صحابہ کرام کے اقوال دونوں جانب ہیں جیسے تکبیرات تشریق، عیدین کی تکبیریں، حالت احرام کا نکاح، ابن عباس اور ابن مسعود کا تشہد، بسم اللہ اور آمین کو آہستہ پڑھنا، اقامت میں دو بار یا ایک بار کہنا وغیرہ، ان میں اختلاف دو اقوال میں سے ایک قول کی ترجیح کا ہے۔ اصل مسئلہ کی مشروعیت میں سلف کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔ ان کا اختلاف محض اس بات میں ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کون ہے؟ یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسے قراءت کے الفاظ میں قراء کا اختلاف ہے۔ فقہاء نے اس

باب کے بیشتر مسائل میں یہ وجہ بیان کی ہے کہ ان میں صحابہ کا اختلاف ہےاور سارے صحابہ ہدایت پر ہیں)

۳۔اختلاف رائے سے استفادہ

اختلاف رائے کوانہوں نے مذموم نہیں بلکہ محمود سمجھا،اوراس سے فائدہ اٹھایا۔

چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حافظ سیوطی کی بہت واضح صراحت گذر چکی ہے۔اور یہ امر واقعہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں اور بالخصوص موجودہ دور کے تغیر پذیر حالات میں امت کے بہت سے مسائل ومشکلات کا حل اختلاف آراء کی وجہ سے نکلتا رہا ہے۔

۴۔فروعی وحدت کی فکر سے اختلاف

اختلاف رائے کوختم کرنے کی انہوں نے کوشش نہیں کی ، بلکہ اگر سیاسی اقتدار نے فروعات میں وحدت پیدا کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اسے روک دیا گیا۔

چنانچہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک سے کہا:

یـا ابا عبد الله ! نكتب هذه الكتب يعنى مؤلفات الامام مـالك و نفرقها فى آفاق الاسلام لنحمل عليها الامة ، قال يا امير الـمـومـنـيـن : ان اختـلاف العلماء رحمة من الله تعالى على هذه الامة ، كـل يتبع مـا صـح عـنـده و كل على هدى و كل يريد الله تعالى (۱۹)

(اے ابوعبداللہ! ہم ان کتابوں کونقل کرتے ہیں یعنی امام مالک کی کتابوں کو،اورانھیں اسلامی مملکت میں بھیج دیتے ہیں اور پوری امت کو

ان پر عمل کا پابند بنا دیتے ہیں۔تو انھوں نے فرمایا: اے امیر المومنین! علماء کا اختلاف اللہ کی جانب سے اس امت پر رحمت ہے، ہر ایک اس پر عمل کرتا ہے جو اس کے نزدیک صحیح ہے اور ہر ایک ہدایت پر ہے اور ہر ایک کا مقصود اللہ کی رضامندی ہے۔)

۵۔رواداارنہ روش

اختلافی مسائل میں ان کی روش تشدد و تصلب سے بالکل پاک تھی، ان کی نظر میں مخالف رائے اسی طرح قابل احترام اور لائق عمل تھی جس طرح موافق رائے، اس لئے دوسری رائے پر عمل کرنے والوں کے سامنے وہ زانوئے تلمذ بھی تہہ کرتے تھے، ان سے استفادہ اور افادہ کا سلسلہ بھی تھا اور عوام الناس کو دوسری رائے پر عمل سے وہ نہیں روکتے تھے۔

۶۔دوسری رائے پر عمل

اختلاف رائے ان کی نظر میں آسانی وسہولت کا باعث تھا، اس لئے وہ بعض مواقع پر بلا تکلف دوسری رائے پر عمل کرلیا کرتے تھے، جن سے امت کے کسی مسئلہ کا حل نکل آتا ہو۔

۷۔دوسری رائے کا احترام

کسی ضرورت کے بغیر بھی وہ دوسری رائے پر صرف ادباً واحتراماً عمل کرتے تھے، اور مخالف رائے کو مبنی بر دلیل سمجھنے کی وجہ سے اس پر عمل کو اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بالکل درست قرار دیتے تھے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے جب بغداد میں امام ابوحنیفہؒ کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھی تو انھوں نے اپنی رائے کے برخلاف دعائے قنوت نہیں پڑھی، اور ایسا انھوں

نے صرف امام ابوحنیفہؒ کے ادب اور احترام میں کیا (۲۰)۔

اس وسعت اور اعتدال نے اسلامی شریعت کے اندر ایسی سہولت، تنوع اور حرارت پیدا کردی کہ زمانہ نے کتنی کروٹیں لیں، ترقیات نے کتنے انبار لگائے اور لوگوں کے تقاضے کتنے بدلے، لیکن یہ شریعت ہر جگہ اور ہر وقت رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی رہی، اور یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہر دور کے مسائل پر تحقیقات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے، پھر بھی شریعت کے دامن میں کوئی تنگی نہیں اور زندگی کے کسی موڑ پر اس کے قدم کسی تکان وتعب سے آشنا نہیں ہیں۔

نشیب وفراز:

اسلامی تاریخ میں نشیب وفراز جہاں سیاسی سطح پر آتے رہے، علمی وفکری سطح بھی مختلف نشیب وفراز سے دوچار رہی۔ کبھی غلط افکار وخیالات کی یورش ہوئی، کبھی افراط وتفریط کا زور ہوا، کبھی بدعات کی موجیں امنڈیں، لیکن اللہ کی یہ سنت طے پاچکی تھی کہ وہ ہر دور میں ایسی شخصیات کو بھیجتا رہے گا جو غلو پسندوں کی تحریف، باطل پرستوں کی خود ساختہ توجیہ اور جاہلوں کی تاویل کو ختم کرتی رہیں گی۔

مشکوۃ المصابیح میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

یحمل هذا العلم من خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین (۲۱)

(اس علم کو ہر آنے والی نسل میں سے عادلین اٹھائیں گے جو اس سے غلو پسندوں کی تحریف، باطل پرستوں کی خود ساختہ توجیہ اور جاہلوں کی تاویل کو دور کریں گے)

چنانچہ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ مجددین اور مجتہدین کا یہ سلسلۂ زریں اسلامی زندگی کے جامع اور معتدل خاکہ کی امانت کو ہر دور میں محفوظ طریقہ پر منتقل کرتا رہا اور لوگوں کو بے اعتدالی سے کھینچ کر جادۂ اعتدال پر گامزن کرتا رہا۔

علمی وفکری سطح پر نشیب وفراز کی ایک شکل فقہی اختلاف میں بے جا تشدد اور تصلب ہے۔ یہ ابتدائی صدیوں کے بعد فقہی اختلاف کے میدان میں پیدا ہوا، جو مختلف علاقائی اور نفسیاتی وسماجی عوامل کے تحت پختہ تر ہوتا گیا، اور بسا اوقات بعض مواقع پر اس نے انتہائی ناپسندیدہ صورت اختیار کرلی جس کی وجہ سے وہ احترام اور رواداری ختم ہوگئی جو اختلاف رائے کے باوجود سلف صالحین کی زندگیوں میں عام تھی، اور ان مواقع پر کبھی ایسا محسوس ہونے لگا کہ فروعی مسائل اور فقہی جزئیات نے اصول دین کی جگہ لے لی ہے۔

اس صورت حال کی اصلاح کے لئے مجددین اور مجتہدین نے قلمی جہاد کیا، فقہی اختلاف کی حقیقت اور حیثیت پر روشنی ڈالی، روش سلف صالحین کی حسین تصویریں دکھائیں اور ان کی رواداریوں اور طرز عمل کے روشن نقوش پیش کئے۔ علامہ ابوالولید ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں، علامہ ابواسحاق شاطبی نے الموافقات فی اصول الشریعۃ میں، امام عبدالوہاب شعرانی نے المیزان الکبری میں، امام ابن تیمیہ نے رفع الملام عن الائمۃ الاعلام میں اور متعدد علماء نے اپنے اپنے دور میں یہ خوشگوار فریضہ انجام دیا۔

بارہویں صدی ہجری اور اٹھارویں صدی عیسوی میں اس تحتی براعظم میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کچھ ایسی ہی صورت حال کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، اور اپنی مجتہدانہ اور مجددانہ خدمات کے ذریعہ فقہی اختلاف کے میدان میں اسلام کے جامع ومعتدل موقف کو اجاگر کرنے کی کوشش فرمائی۔

آئندہ صفحات میں ہم تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ

نے فروعی مسائل میں اختلاف آراء کو کس نظر سے دیکھا؟ فقہی اختلاف کو انھوں نے کیا حیثیت دی؟ فقہی مسالک کی حقیقت ان کے نزدیک کیا ہے؟ اور فقہی فروعات میں تشدد وغلو کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے کیا کوششیں فرمائیں؟ اور اس سلسلہ میں ان کا معتدل موقف کیا رہا؟ نیز اجتہاد اور تقلید کے موضوع پر ان کا جامع اور معتدل نقطہ نظر کیا ہے؟

دوسرا باب:

فقہی اختلاف
اور حضرت شاہ ولی اللہ کا عہد

فقہی اختلاف

اور حضرت شاہ ولی اللہ کا عہد

شاہ ولی اللہ کے عہد کی صورت حال

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا دور بارہویں صدی کے ربع اول سے تیسرے ربع تک رہا ہے، (پیدائش شوال ۱۱۱۴ھ، وفات محرم ۱۱۷۶ھ)۔ اس دور میں سیاسی اعتبار سے مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا، آپ کی پیدائش کے چار سال بعد اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) ہوئی، اور یکے بعد دیگرے دس بادشاہ تخت سلطنت پر آئے اور گئے، آپ کی وفات کے وقت شاہ عالم ثانی کی تخت نشینی (۱۱۷۳ھ) پر ڈھائی سال گذرے تھے............سیاسی زوال کا اثر اخلاقی زبوں حالی اور بگاڑ پر نمایاں تھا، اور اقتصادی حالت بھی بالکل پامال ہورہی تھی............ علمی وفکری حالات یہ تھے کہ ایران سے درآمد فلسفہ ومنطق کا بول بالا تھا، عقلی موشگافیوں اور مناظروں کی گرم بازاری تھی، قرآن وحدیث سے رشتہ ٹوٹ رہا تھا اور فقہی تعصب وتصلب اپنی انتہاؤں کو پہنچ چکا تھا۔ بقول سید سلیمان ندوی:

> فقہ وفتاوی کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی، مسائل فقہ میں تحقیق وتدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا، عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی ومطالب اور احادیث کے احکامات وارشادات اور فقہ کے اسرار

سے بے خبر تھے (۲۲)۔

اور بقول مولانا مناظر احسن گیلانی :

جزئیاتی فقہاء کی گرفت زیادہ تھی (۲۳)۔

اور تشدد و تصلب کی یہ شرارت دو آتشہ ہو چکی تھی (۲۴)۔

خود حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

اس زمانہ میں فقیہ اس شخص کا نام ہے جو باتونی ہو، زور زور سے ایک جبڑے کو دوسرے جبڑے پر پٹکتا ہو، جو فقہاء کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف سب کو یاد کر کے بغیر کسی امتیاز کے اپنی زبان درازی سے سب کو بیان کرتا چلا جاتا ہے (۲۵)۔

یہ اس دور کے حالات کی ایک جھلک ہے، جس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے شعور کی آنکھیں کھولیں اور اپنا تجدیدی و اجتہادی کارنامہ انجام دیا۔

شاہ صاحب کی علمی و فکری تیاری:

قدرت کی طرف سے جب کسی صورت حال کی اصلاح کا فیصلہ ہوتا ہے تو اس کے اسباب بھی وہ مہیا کر دیتا ہے، بارہویں صدی ہجری کے ان حالات کی اصلاح ہی نہیں بلکہ بگڑے نظام کو توڑ کر قرآن و سنت کی بنیادوں پر نئی تعمیر کا کام اللہ نے آپ کی ذات والا صفات سے لینا طے فرمایا تھا، اس انقلابی اقدام کے لئے آپ کو ایسے وسائل و اسباب سے آراستہ کیا گیا کہ آپ اسے بحسن و خوبی انجام دے سکیں۔

چنانچہ ایک جانب علمی سطح پر آپ نہایت مستحکم اور جامع قابلیتوں سے آراستہ ہوئے، اپنے والد ماجد سے دینی تعلیم کا نصاب مکمل کیا، پھر حجاز تشریف لے گئے اور وہاں مختلف مسالک کے اساتذہ کرام سے براہ راست استفادہ کیا، خصوصاً شیخ ابو طاہر کردی شافعی سے حدیث کا درس

لیا، حجاز مقدس کی تعلیم نے آپ کے اندر حدیث کے ساتھ خصوصی مناسبت اور اس کا شغف پیدا کردیا۔

دوسری جانب آپ نے فقہ حنفی کی کتابوں اور ان کے دلائل کے مطالعہ پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ مسالک اربعہ کی فقہی کتابوں، اصول فقہ اور ان کی مستدل احادیث کا عمیق مطالعہ فرمایا۔ (۲۶)

اس طرح علمی پہلو سے آپ کے اندر چاروں فقہی مسالک کی جامعیت پیدا ہوئی، فکری اعتبار سے آپ کے وسیع وعمیق مطالعہ اور قرآن وسنت سے گہرے استفادہ نے آپ کے اندر صحیح اسلامی مزاج واعتدال پیدا کیا۔ تیسری طرف آپ نے یہ محسوس کیا کہ اللہ نے آپ کے مزاج وفکر میں فطری طور پر اعتدال اور جامعیت پیدا فرمائی ہے اور قلب میں ایسا میزان عطا کیا ہے جس سے آپ کے لئے امت کے ہر اختلاف کی حقیقت اور اس میں صحیح نقطۂ نظر تک رسائی ممکن ہوگئی ہے۔

آپ اس احساس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان اللہ تعالی جعل فی قلبی وقتا من الاوقات میزانا اعرف بہ سبب کل اختلاف وقع فی الملة المحمدية على صاحبها الصلاة والسلام وما هو الحق عند الله وعندرسوله، ومكنني من ان اثبت بالدلائل العقلية والنقلية بحيث لا يبقى فيه شبهة ولااشكال۔

(اللہ نے میرے دل میں کسی خاص وقت میں ایسا میزان رکھ دیا جس سے میں اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں ہونے والے ہر اختلاف کا سبب پہچان لیتا ہوں اور یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حق کیا ہے، اور مجھے یہ قدرت دی کہ میں اس کو عقلی اور نقلی دلائل سے اس طرح ثابت کردوں کہ اس میں کوئی شبہ اور اشکال باقی نہ رہ جائے۔)

ان سب کے ساتھ آپ کو یہ احساس بھی عطا کیا گیا کہ آپ ہر فاسد شیرازہ کو توڑنے والے اور خلعت فاتحیت سے سرفراز ہیں، نیز آپ سے دین کے ایک خاص نوع کی خدمت اور امت میں خاص نوع کی شیرازہ بندی کا کام لیا جانا ہے[۲۷]۔

تیسرا باب:

فقہی اختلاف کی حیثیت
شاہ ولی اللہ کی نظر میں

فقہی اختلاف کی حیثیت

شاہ ولی اللہ کی نظر میں

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے علمی وفکری اور روحانی تیاریوں سے آراستہ ہوکر حرمین شریفین سے واپسی کے بعد جب فقہی اختلاف میں اعتدال پسندی پر کام شروع فرمایا تو سب سے پہلے آپ نے فقہی اختلاف کے آغاز اور اس کے وجود کی تاریخی بنیادوں پر روشنی ڈالی، اور اختلاف پیدا ہونے کے اسباب پر منصفانہ گفتگو کرتے ہوئے فقہی اختلاف کی حیثیت متعین فرمائی۔

اختلاف رائے کا آغاز:

فقہی اختلاف کی بنیاد کیا ہے اور یہ کیسے شروع ہوا؟ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، وہ بتاتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے شریعت کا حصول دو طریقوں سے کیا گیا، ایک طریقہ نقل وروایت کا تھا، جس میں حصول ظاہری کا طریقہ تھا۔ نقل وروایت کے طریقہ سے حاصل کی گئی شریعت میں قرآن کریم اور چند احادیث لفظی تواتر کے ساتھ منتقل ہوئیں اور طہارت، نماز، روزہ، حج، تجارتی معاملات، نکاح اور غزوات کے بیشتر احکام جو امت کے درمیان متفقہ ہیں، معنوی تواتر کے ساتھ منقول ہوئے، یہ نقل وروایت کا اعلیٰ درجہ تھا۔

دوسرا درجہ نقل وروایت کا غیر متواتر تھا جس کی اعلی قسم مستفیض (کافی مشہور) ہے اور بڑے بڑے فقہی مسائل کی بنیاد اسی قسم پر ہے، پھر صحیح، حسن اور اس کے بعد مختلف فیہ روایات ہیں۔

شریعت کے حصول کا دوسرا طریقہ دلالت واستنباط کا تھا، صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کو کوئی بات ارشاد فرماتے یا کوئی عمل کرتے دیکھتے اور اس سے مستنبط کرتے ہوئے بتاتے کہ فلاں کام واجب ہے اور فلاں جائز، رسول اللہ ﷺ کے افعال، اقوال، فتاوی اور فیصلوں کو صحابہ کرام نے اپنے مواقع کے اعتبار سے سیکھا اور انہیں محفوظ کیا اور مختلف علامتوں اور قرائن کی بنیاد پر آپ کے بعض افعال کو مباح تصور کیا اور بعض کو منسوخ سمجھا۔ دلالت واستنباط کے طریقہ سے شریعت حاصل کرنے والے صحابہ میں زیادہ نمایاں حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس تھے۔ تابعین میں اس نہج کو اپنانے والوں میں مدینہ میں فقہائے سبعہ بالخصوص حضرت سعید بن المسیب، مکہ میں حضرت عطاء بن ابی رباح، کوفہ میں حضرت ابراہیم نخعی، حضرت شریح اور حضرت شعبی نیز بصرہ میں حضرت حسن بصری تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام مختلف علاقوں میں پھیلے، ہر صحابی اپنے علاقہ میں دوسرے لوگوں کے لئے پیشوا تھا، پیش آنے والے مسائل میں لوگ کثرت سے ان کی طرف رجوع کرتے اور وہ حدیث رسول کے مطابق جواب دیتے، اگر ان کے علم میں حدیث نہ ہوتی تو وہ استنباط واجتہاد کرتے، رسول اللہ کے بتائے ہوئے احکام میں پیش نظر رہنے والی علت معلوم کرتے اور جن نئے مسائل میں وہ علت نظر آتی سابق حکم وہاں بھی جاری کرتے۔ اس طریقۂ کار میں صحابہ کرام کے درمیان بعض مسائل کے جوابات میں اختلافات ہوئے اور ان کے مسالک مختلف ہوئے۔ ان سے تابعین نے اخذ واستفادہ کیا اور اپنی حسب وسعت احادیث اور صحابہ کے مسالک کو سیکھا اور یاد کیا، اور مختلف روایات واقوال میں تطبیق، ترجیح اور تنقید سے کام لیا، اس طرح علماء تابعین میں سے ہر تابعی کا علاحدہ مسلک قرار پا گیا۔ تابعین کی طرف رجوع

کرنے والوں نے ان سے احادیث، صحابہ کے فتاوی اور ان کے اقوال معلوم کئے نیز خود ان تابعین کے مسالک اور ان کی تحقیقات کو حاصل کیا، اور اس نسل کے افراد جب خود مسند آرائے درس ہوئے تو انہوں نے اپنے شیوخ واساتذہ کے نقوش کی پیروی کی، اور اس طرح خود ان کے مسالک مختلف ہوئے اور فقہی مذاہب تشکیل پاتے گئے (۲۸)۔

یہ اس تاریخی ترتیب اور پس منظر کا خلاصہ ہے جس میں فقہی آراء میں اختلاف کا آغاز ہوا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا، شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے فقہی اختلاف کی جو تاریخ بیان کی ہے اس سے درج ذیل امور واضح ہوئے:

☆ رسول کریم ﷺ سے حصول شریعت دو طریقوں سے ہوا، پہلا محض نقل وروایت کا طریقہ تھا اور دوسرا استنباط واستدلال اور اجتہاد کا طریقہ۔

☆ مسائل کے استنباط میں صحابہ کرام کی رائیں مختلف ہوئیں اور ہر ایک کے پیش نظر اس علت کی تحقیق رہی جس پر حکم نبوی کی بناء رکھی گئی۔

☆ تابعین نے صحابہ کرام سے استفادہ کیا اور تطبیق وترجیح سے کام لیا، اس طرح ان کے مسالک مختلف ہوئے۔

☆ تبع تابعین اور فقہاء نے تابعین سے علم حاصل کیا اور ان کے نقوش کی پیروی کی جس سے فقہی مذاہب تشکیل پائے۔

اختلاف آراء کے اسباب:

جہاں تک اختلاف رائے اور علاحدہ نقاط نظر کے اسباب کا تعلق ہے، اس پر حضرت شاہ ولی اللہ نے بڑی منصفانہ گفتگو فرمائی اور تفصیل کے ساتھ ان اسباب پر روشنی ڈالی جن کی وجہ سے رایوں کا فرق واختلاف ہوا، شاہ صاحب کے مطابق صحابہ کرام کے درمیان اختلاف آراء پیدا ہونے کے مندرجہ ذیل چھ اسباب تھے:

۱۔ عدم واقفیت:

کسی مسئلہ میں ایک صحابی نے حضورؐ کا فیصلہ یا فتوی سنا، دوسرے صحابی نہ سن سکے، اور انہوں نے اس میں اجتہاد سے کام لیا، یہ اجتہاد کبھی تو فیصلہ نبوی کے مطابق نکلا، جیسے نسائی کی روایت کے مطابق حضرت ابن مسعودؓ نے ایسی خاتون کے لئے جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا اور مہر مقرر نہیں تھا اپنے اجتہاد سے یہ فتوی دیا کہ اس خاتون کو مہر مثل ملے گا، اس پر عدت واجب ہوگی اور میراث میں اس کا حصہ ہوگا۔ حضرت معقل بن یسارؓ نے بتایا کہ حضورؐ نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔ کبھی دو صحابہ میں مباحثہ کے نتیجہ میں حدیث کا ظن غالب پہلو سامنے آتا جیسے حضرت ابو ہریرہؓ نے بعض ازواج مطہراتؓ کے بتانے کے بعد اپنی اس رائے سے کہ حالت جنابت میں روزہ نہیں رہے، حدیث کی طرف رجوع کر لیا۔ کبھی اس صحابی کو حدیث پہنچی ہی نہ ہوتی جیسے مسلم شریف کے مطابق حضرت ابن عمرؓ عورتوں کو غسل میں اپنے بال کھولنے کا حکم دیتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس کے خلاف عمل پر حضور کی تائید نقل کی۔

۲۔ استنباط میں فرق:

حضورؐ کو ایک عمل کرتے دیکھ کر ایک صحابی نے اسے عبادت سمجھا دوسرے نے محض مباح عمل، جیسے دوران حج مقام ابطح میں حضور نے قیام کیا، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمر نے اسے قربت پر محمول کرتے ہوئے اسے حج کی سنت بتایا، لیکن حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس کی رائے ہوئی کہ یہ محض اتفاقی امر تھا، حج کی سنت نہیں تھی۔ طواف میں رمل کرنے کے سلسلہ میں بھی ایسا ہی اختلاف ہوا۔

۳۔ سہو اور بھول:

بعض صحابہ میں فرق سہو کی بنیاد پر بھی ہوا جیسے حضرت ابن عمرؓ نے ماہ رجب میں حضورؐ کے عمرہ کرنے کا ذکر کیا لیکن حضرت عائشہؓ نے اسے ان کا سہو بتایا۔

۴۔ ضبط حدیث میں اختلاف:

جیسے حضرت ابن عمرؓ نے حدیث بتائی کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ ابن عمرؓ حدیث کو صحیح طریقہ سے محفوظ نہیں کر سکے، ایک بار حضورؐ کا گذر ایک یہودی عورت کی قبر پر ہوا جس کے گھر والے رو رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا: وہ لوگ رو رہے ہیں جب کہ عورت کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے، اس کو حضرت ابن عمر نے رونے کی وجہ سے عذاب ہونا سمجھ لیا۔

۵۔ علت حکم کی تعیین:

کبھی حکم کی علت متعین کرنے میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا جیسے جنازہ دیکھ کر حضورؐ کھڑے ہوئے تو اس کی وجہ کسی نے ملائکہ کی تعظیم سمجھی، اور کافر و مومن دونوں کے جنازہ کے لئے اس حکم کو عام قرار دیا، کسی دوسرے صحابی نے اسکی وجہ موت کی ہولنا کی سمجھی، لیکن حضرت حسن بن علی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپ ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے کہ جنازہ آپ کے سر کے اوپر سے گذرے، اس علت کی وجہ سے یہ حکم کافر کے ساتھ مخصوص ہوا۔

۶۔ مختلف احادیث میں تطبیق:

جیسے قبلہ رخ ہو کر استنجا کرنے کی ممانعت کے بعد خود آپؐ کو قبلہ رخ پیشاب کرتے اور ایسے ہی قبلہ کی طرف پشت کر کے قضاء حاجت کرتے دیکھا گیا، تو ان مختلف احادیث میں تطبیق کرتے ہوئے کسی نے ممانعت کے حکم کو منسوخ سمجھا، کسی نے صحراء میں ممنوع اور بیت الخلاء میں درست اور کسی نے دوسروں کے لئے ممنوع اور حضورؐ کے لئے جائز سمجھا (۲۹)۔

صحابہ کرام کے درمیان ان اسباب کی وجہ سے اختلاف رائے ہوا، تابعین نے صحابہ کے مسالک کو سیکھا اور یاد کیا، مختلف روایات کو جمع کیا، بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی، بعض اقوال کبار صحابہ

کے تھے، لیکن ان کے خلاف احادیث شہرت کے ساتھ مل گئیں تو وہ اقوال ترک کردئے گئے۔ ان کے بعد تبع تابعین کا عمل بھی تابعین سے، بہت کچھ ملتا جلتا رہا، اور اس طرح یہ اختلاف آراء منتقل ہوتا رہا۔

ان اسباب کے ساتھ ساتھ ایک بات یہ بھی رہی کہ رسول اللہ ﷺ سے جن دو طریقوں سے شریعت کا حصول کیا گیا، ان دونوں میں سے ہر طریقہ میں کچھ خلل اور کمی تھی جس کی تلافی دوسرے طریقہ سے ہوتی تھی، مثلاً نقل و روایت کے طریقہ میں کبھی روایت بالمعنی کیا جاتا جس میں معنی کے اندر تبدیلی اور تغیر مفہوم پیدا ہو جانے کا احتمال رہتا تھا، کبھی کسی خاص واقعہ کے حکم کو کلی حکم اور کبھی تاکیدی حکم کو واجب یا حرام سمجھ لیا جاتا جب کہ حقیقت میں ایسا نہ ہوتا، ایسے ہی دلالت و استنباط کے طریقہ میں صحابہ اور تابعین کے قیاسات اور استنباطات داخل ہوتے، جب کہ اجتہاد تمام احوال میں لازماً درست نہ ہوتا (۳۰)۔

شاہ صاحب کی نظر میں یہ اسباب اور احوال تھے جن کی وجہ سے فقہی آراء میں اختلاف پیدا ہوا۔

اس تفصیلی وضاحت کے ذریعہ حضرت شاہ صاحب نے بتایا کہ فقہی اختلاف پیدا ہونے کے علمی اسباب رہے جن کی وجہ سے خود صحابہ کرام کی رایوں میں اختلاف ہوا، اور یہی اختلاف تابعین اور تبع تابعین کے ذریعہ منتقل ہوا۔ لہذا فقہی اختلاف کی حیثیت علمی اختلاف کی ہے، اور ہر رائے دلیل پر مبنی ہے۔

چوتھا باب:

فقہی مسالک کی حقیقت

شاہ ولی اللہ کی نظر میں

فقہی مسالک کی حقیقت
شاہ ولی اللہ کی نظر میں

عہد صحابہ کے بعد فقہی اختلاف آراء فقہاء مجتہدین کی جانب منسوب ہو کر معروف ہونا شروع ہوا، اور جب ائمہ مذاہب کے دور میں اختلاف آراء زیادہ وسیع اور زیادہ نمایاں ہوا تو باضابطہ فقہی مسالک تشکیل پا گئے۔

دو بنیادی رجحانات:

ابتداء میں متعدد مجتہدین فقہاء مذاہب تھے اور ان کی جانب منسوب فقہی مسالک معروف ہو رہے تھے، یہ فقہاء مذاہب تابعین، تبع تابعین اور ان کے تلامذہ تھے۔ ان میں اپنے فقہی مذاہب کی شناخت رکھنے والے مشہور فقہاء درج ذیل تھے:

حضرت حسن بصری، حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام لیث بن سعد، حضرت امام اوزاعی، حضرت امام جعفر صادق، حضرت سفیان ثوری، حضرت سفیان بن عیینہ، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت ابو ثور، حضرت ابن ابی لیلی، حضرت شریک نخعی، حضرت زید بن علی زین العابدین، حضرت داؤد ظاہری، حضرت ابن جریر طبری وغیرہ۔

لیکن ان میں بنیادی طور دو رجحانات باہم ممتاز ونمایاں تھے، ایک رجحان صرف روایت حدیث کو پسند کرتا تھا اور اپنی رائے وفتوی دینے سے سوائے انتہائی ضرورت کے حتی الامکان گریز کرتا تھا۔اس رجحان کی کیفیت شعبی کے اس بیان سے واضح ہوتی ہے کہ:

كان اذا سئل الرجل قال لصاحبه : افتهم فلا يزال حتى يرجع الى الاول ۔

(جب کسی شخص سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اپنے ساتھی سے کہتے کہ آپ انھیں بتایئے، اور پوچھنے والا اسی طرح ایک سے دوسرے کی طرف جاتا رہتا یہاں تک کہ پہلے شخص کے پاس پہنچ جاتا)

اس رجحان کے نتیجہ میں تمام بلاد اسلامیہ میں حدیث وآثار کی تدوین کا زبردست رواج ہوا اور حدیث کا عظیم الشان ذخیرہ جمع ہوگیا، نیز راویان حدیث کی معرفت وتحقیق کا باضابطہ ایک فن ''اسماء الرجال'' کے نام سے تیار ہوگیا۔

اس کے بالمقابل دوسرا رجحان رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے کوئی روایت کرنے میں خوف محسوس کرتا تھا اور رائے وفتوی کو اختیار کرتا تھا، گو کہ وہ بیشتر احوال میں حدیث رسول ہوتی تھی، حضرت عبد اللہ بن مسعود جب کوئی روایت کرتے تو خوف سے لرز جاتے اور کہتے: هكذا او نحوه ، هكذا او نحوه (ایسا ہی فرمایا یا اس سے قریب، ایسا ہی فرمایا یا اس کے قریب)۔اور حضرت ابراہیم نخعی کہا کرتے تھے: ہمیں یہ کہنا زیادہ پسند ہے کہ عبد اللہؓ نے کہا۔دونوں رجحانات میں یہ امتیاز اور تقسیم صرف اغلبی تھی، یعنی پہلے رجحان والے بھی استنباط واجتہاد اور رائے کا استعمال کرتے تھے اور دوسرے رجحان کے علمبردار بھی روایت حدیث اور اس کی اشاعت میں مصروف تھے (۳۱)۔

دو علمی مراکز:

دوسری جانب بلاد اسلامیہ میں دو علمی مراکز نمایاں ہوئے، ایک شہر نبی مدینہ منورہ کا

مرکز تھا، جہاں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کے بعد ممتاز تابعین کی روایات، آراء اور اقوال لائق اختیار قرار پائے اور عالم مدینہ حضرت امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ) اس سرمایہ کے امین وعلمبردار ہوئے۔

دوسرا مرکز عراق کا شہر کوفہ تھا جہاں تین سو سے زائد علماء صحابہ کرام تشریف لائے تھے اور بالخصوص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ان کے اصحاب، حضرت علیؓ، حضرت شریحؒ، حضرت شعبیؒ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کے فتاوی اور فیصلوں کو ترجیحی طور پر اختیار کیا گیا، اس سرمایہ علم وروایت کے علمبردار حضرت امام ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) ہوئے (۳۲)۔

حضرت امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) اس وقت تشریف لائے جب حنفی اور مالکی مسالک کے اصول وفروع کی ترتیب کا دور آغاز تھا، انہوں نے دونوں مسالک کی بنیادوں پر نظر ڈالی اور ان سب کی روشنی میں اصول وفروع متعین فرمائے۔

حضرت امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) کا دور اس کے بعد کا ہے، جغرافیائی اعتبار سے ان کا مرکز عراق کا شہر بغداد رہا، اور علمی انتساب امام شافعی سے حاصل ہوا، لیکن اس وقت جو دو رجحانات رائج تھے ان میں حضرت امام احمد بن حنبل رجحان روایت حدیث کے علمبردار ہوئے (۳۳)۔

رفتار زمانہ کے ساتھ مختلف اسباب کے نتیجہ میں دیگر فقہاء مجتہدین کے مذاہب ناپید ہوتے گئے اور صرف یہی چار فقہی مسالک حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی باقی رہ گئے، اور عالم اسلام میں ان ہی چار مسالک پر عمل کرنے والوں کی اکثریت رہی۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ان چاروں فقہی مسالک کا بڑا عمیق اور دقیق مطالعہ فرمایا، ان کے اصولوں کو دیکھا، ان کی مستدل احادیث کا مطالعہ کیا، ان کے بانیان اور علمبرداران کی حیات وخصوصیات کا تجزیہ کیا، ان چاروں مذاہب کی تاریخ اور مختلف ادوار میں ان پر ہونے والے کاموں کا جائزہ لیا۔ ان سب کے بعد انہوں نے بڑے ٹھوس، مدلل اور انتہائی معتدل انداز میں مذاہب اربعہ کی حقیقت، خصوصیات اور ان کے مقام ومرتبہ کو واشگاف کیا۔

مذاہب اربعہ کی خصوصیات:

مذاہب اربعہ کی خصوصیات کے بارے میں شاہ صاحب بتاتے ہیں کہ یہی چار مذاہب اس وقت دنیا میں ایسے ہیں جن میں سلف کے اقوال وتحقیقات صحیح سند سے مروی ہیں، مشہور کتابوں میں انہیں مدون کیا گیا ہے، ان پر اس طرح کام کیا گیا ہے کہ راجح اور مرجوح اور عام اور خاص میں امتیاز آسان ہوگیا ہے، جہاں اطلاق پایا جاتا ہے وہاں اس کی تقیید کا علم ہے، مختلف اقوال میں تطبیق دی جاچکی ہے، اور احکام کی علتوں پر روشنی ڈالی جاچکی ہے، اس طرح مسالک اربعہ میں موجود ذخیرۂ احکام کی تنقیح وتدقیق اور خدمت مختلف پہلوؤں سے انجام پاچکی ہے۔ اور یہ وہ اوصاف وخصوصیات ہیں جو کسی بھی قول وتحقیق پر اعتماد کے لئے ضروری ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی بڑی صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شریعت کا علم سلف پر اعتماد کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ اور پوری اسلامی تاریخ میں ہر دور کے اہل علم نے اپنے ماقبل دور کے سلف پر اعتماد کیا ہے اور اسی سلسلہ سے شریعت ہم تک پہونچی ہے۔ شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ان الامة اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفة الشریعة، فالتابعون اعتمدوا فی ذلك علی الصحابة، و تبع التابعین اعتمدوا علی التابعین، وهكذا فی كل طبقة اعتمد العلماء علی من قبلهم ۔ والعقل یدل علی حسن ذلك ، لان الشریعة لا تعرف الا بالنقل والاستنباط، والنقل لا یستقیم الا بان یاخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال، ولا بد فی الاستنباط ان یعرف مذاهب المتقدمین لئلا یخرج من اقوالهم فیخرق الاجماع ۔(۳۴)

(امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شریعت کی معرفت کے لئے وہ

سلف پر اعتماد کرے۔تابعین نے اس کے لئے صحابہ کرام پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔اور اسی طرح ہر طبقہ کے علماء نے اپنے قبل والوں پر اعتماد کیا۔اور عقل بھی اسی کے بہتر ہونے پر دلالت کرتی ہے،اس لئے کہ شریعت کا علم نقل اور استنباط کے بغیر نہیں ہوسکتا۔اور نقل اس وقت تک درست ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہر طبقہ اپنے قبل کے طبقہ سے تسلسل کے ساتھ حاصل نہ کرے۔اور استنباط کے لئے بھی لازمی ہے کہ متقدمین کے مذاہب اسے معلوم ہوں تاکہ وہ ان سب کے اقوال سے باہر نکل کر خرق اجماع نہ کر بیٹھے)

شریعت کے علم کے لئے سلف پر اعتماد کی اس ناگزیر ضرورت پر مدلل روشنی ڈالنے کے بعد شاہ صاحب بتاتے ہیں کہ جب سلف کے اقوال پر اعتماد لازمی ہے تو ضروری ہے کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جائے وہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہوں اور مشہور کتابوں میں مدون ہوں اور ان پر ہر پہلو سے وہ تمام کام انجام پا چکے ہوں جو اوپر مذکور ہوئے۔اور اس زمانہ میں یہ تمام اوصاف وخصوصیات مذاہب اربعہ کے علاوہ دوسرے کسی مذہب کو حاصل نہیں ہیں۔

مذاہب اربعہ کا مقام:

چاروں فقہی مسالک جس طرح مذکورہ بالا خصوصیات میں یکساں ہیں ان چاروں کا مقام ومرتبہ بھی برابر ہے،اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں ہے،یہ رائے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے رسول کریم ﷺ کی جانب ان سے روحانی استفادہ میں منسوب کی ہے،شاہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے ان چاروں مذاہب کے بارے میں دریافت کیا کہ ان میں سے کون مذہب ان کے نزدیک زیادہ پسندیدہ اور لائق اختیار ہے،تو میرے دل پر یہ فیضان ہوا کہ یہ سارے مذاہب برابر ہیں،اور کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں ہے(۳۵)۔

فقہی اختلاف کے بارے میں شاہ صاحب کی یہ رائے گذر چکی ہے کہ بیشتر مسائل میں اختلاف کی حیثیت محض اولی اور غیر اولی کی تعیین کی ہے، دلائل دونوں جانب ہیں اور دونوں صورتیں مشروع ہیں۔ یہ رائے بھی چاروں فقہی مذاہب کے یکساں درجہ ومقام کو واشگاف کرتی ہے۔

خود حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ان چاروں فقہی مسالک اور ان کے بانیان کے تئیں بڑے پرزور کلمات میں اظہار عقیدت فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کی انفرادی خصوصیات کی نشاندہی فرمائی، چنانچہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کا مرتبہ اجتہاد واستنباط کے سلسلہ میں بہت بلند تھا اور وہ تخریجات میں بڑے دقیق النظر تھے (۳۶)۔ امام مالک کی تصنیف موطا کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب موطا امام مالک ہے (۳۷)۔ تیسرے مسلک کے بانی امام شافعی کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ میں سنت سے زیادہ قریب امام شافعی کا مذہب ہے (۳۸)۔ اور امام احمد بن حنبل کو وہ فقہائے محدثین میں سب سے عالی مرتبہ، وسیع الروایہ، حدیث سے باخبر اور تفقہ میں عمیق النظر قرار دیتے ہیں (۳۹)۔

اس طرح حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ اسلامی کے ان مدون، محفوظ اور مہذب ومحرر چار فقہی مسالک کی حیثیت، حقیقت اور مقام ومرتبہ کو واشگاف فرمایا۔

پانچواں باب:

فقہی مسالک میں جمع و تطبیق

شاہ ولی اللہ کی رائے

فقہی مسالک میں جمع وتطبیق

شاہ ولی اللہ کی رائے

تطبیق کا پس منظر:

فقہی اختلاف کی تاریخ، اس کی حیثیت وحقیقت اور مذاہب اربعہ کے مقام ومرتبہ پر روشنی ڈال کر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے واضح کیا کہ یہ اختلاف نہ صرف مشروع اور محمود ہے بلکہ اس میں امت کے لئے یسر وسہولت اور آسانی ہے، مذاہب اربعہ دراصل ایک ہی شجرۂ طوبیٰ کی شاخیں ہیں، یہ سب ایک جڑ سے پیوستہ ہیں، اور قرآن کے بعد حدیث وسنت ہی ان سب کا سرچشمہ ہے، اس لئے نہ صرف حدیث وسنت کے ساتھ ان کی ہم آہنگی برقرار رہنی چاہئے بلکہ ایک درخت کی ان شاخوں کے درمیان باہم دوری یا اجنبیت نہیں ہونی چاہئے، درخت کی ہر شاخ اپنے نیچے آنے والوں کے لئے سایہ دار ہے، اور مسائل ومشکلات کی دھوپ کی تمازت میں اگر ایک شاخ سے راحت نہیں مل پارہی ہے تو دوسری شاخ سایہ کو گھنیرا بنا سکتی ہے [۴۰]، پس فقہی فروعی مسائل میں نہ تو شدت وسختی ہونی چاہئے، اور نہ ان میں باہمی منافرت اور دوری، بلکہ ان مسالک کے درمیان حدیث کی روشنی میں بقدر امکان تطبیق وتوفیق کی سعی ہونی چاہئے۔

تطبیق کا منہج:

اس وسیع النظری اور علمی گیرائی کے ساتھ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے فقہی مسالک میں جمع وتطبیق کی سعی محمود کا آغاز فرمایا، شاہ صاحب جب حجاز میں سکونت پذیر تھے تو اس موقع سے آپ نے روحانی طور پر یہ حکم نبویؐ محسوس کیا کہ آپ مذاہب اربعہ کے درمیان حسب استطاعت تطبیق وتوفیق کا کام انجام دیں۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

الوصاة بالتقيد بهذه المذاهب الاربعة لا اخرج منها والتوفيق ما استطعت (۴۱)

(وصیت یہ ہے کہ ان چاروں مذاہب سے وابستہ رہوں، ان سے نہ نکلوں، اور حسب استطاعت ان میں تطبیق دوں)

حرمین سے واپسی کے بعد پہلے مرحلہ میں آپ نے اپنے ملک کے ماحول کے پیش نظر فقہ حنفی اور فقہ شافعی کے درمیان تطبیق کی عملی کوشش فرمائی، آپ کی یہ کوشش کیسی تھی، اس کا نہج کیا تھا اور ایک ہی مسئلہ میں دو مختلف رایوں میں تطبیق کی کیا شکل آپ نے نکالی؟ ان امور پر آپ نے خود ہی روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں:

ان الحق الموافق لعلوم الملا الاعلى اليوم ان يجعلا كمذهب واحد يعرضان على الكتب المدونة فى حديث النبى ﷺ من الفريقين، فما كان موافقا بها يبقى، وما لم يوجد له اصل يسقط، والثابت منها بعد النقد ان توافق بعضه بعضا فذلك الذى يعض عليه بالنواجذ، وان يخالف تجعل المسئلة على قولين ويصح العمل عليهما، او يكون من قبيل اختلاف احرف القرآن، او على الرخصة والعزيمة، او يكونان طريقين للخروج من المضيق

کتعدد الکفارات، او یکون اخذا بالمباحین المستویین، لا یعدو الامر هذه الوجوه ان شاء الله تعالی ۔ (۴۲)

(علوم ملا اعلی کے موافق حق یہ ہے کہ دونوں مذاہب کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے، اس طور پر کہ دونوں مسالک کے فقہی مسائل کو ان ہی کی تدوین کردہ کتب حدیث پر پیش کیا جائے، جو مسئلہ حدیث کے موافق ہو اسے باقی رکھا جائے، اور جو حدیث کے مخالف ہو اسے ساقط کر دیا جائے، متفقہ مسائل پر سختی سے عمل کیا جائے اور مختلف فیہ مسئلہ میں دو قول قرار دیا جائے اور دونوں پر عمل صحیح قرار پائے۔ یا ہر دو قول کو اس طرح سمجھا جائے جیسے قرآن میں بعض الفاظ کی قراءت دو طرح ہے، یا ایک قول کو رخصت اور دوسرے قول کو عزیمت پر محمول کیا جائے، یا یہ سمجھا جائے کہ کفارہ کے طریقوں کی طرح ایک عمل کی ادائیگی کے دو طریقے ہیں یا دونوں کو برابر درجہ کا مباح سمجھا جائے۔)

تطبیق کی اس شکل میں حضرت شاہ صاحب علیہ نے بڑے اعتدال سے کام لیتے ہوئے دو بنیادی امور پر توجہ فرمائی ہے، ایک یہ کہ حدیث کے موافق قول پر عمل کیا جائے، مخالف قول پر نہیں۔ دوسرے یہ کہ جہاں دونوں طرف دلائل ہوں ان میں امت کے لئے سہولت کی راہ رکھی جائے کہ ان میں سے کسی بھی رائے پر عمل درست قرار پائے، اور یہ سمجھا جائے کہ دونوں آراء شریعت ہی کی جانب سے ہیں ۔

دوسرے مرحلہ میں آپ نے چاروں فقہی مسالک کی آراء میں تطبیق وتوفیق کا کام شروع فرمایا، چنانچہ اپنی تصنیف المصفّٰی شرح موطا میں اسی نہج پر کوشش فرمائی، اس شرح مین آپ نے نہ صرف مذاہب اربعہ بلکہ دوسرے مجتہدین کے بھی مذاہب نقل کرنے کا اہتمام کیا، اور مجتہد فیہ مسائل میں حدیث کی رو سے کسی ایک مذہب کو ترجیح دی جو بسا اوقات تابعین اور مجتہدین کے اقوال تک پہنچی ہے۔ (۴۳)

شاہ صاحب اپنے عمل کے بارے میں بتاتے ہیں:

بقدر امکان جمع میکنم در مذاہب مشہورۃ مثلا صوم وصلوۃ ووضو وغسل وحج بوضع واقع می شود کہ ہمہ اہل مذاہب صحیح دانند، وعند تعذر الجمع باقوی مذاہب از روئے دلیل وموافقت صریح حدیث می نمایم (۴۴)۔

(روزہ، نماز، وضو، غسل اور حج جیسے مسائل میں بقدر امکان مذاہب مشہورہ کے درمیان جمع کرتا ہوں، کیونکہ تمام اہل مذاہب صحیح ہیں۔ اور جب تطبیق دشوار ہوتی ہے تو از روئے دلیل اور صریح حدیث کے موافق جو قوی مذہب ہو اسے اختیار کرتا ہوں۔)

اس طرح اس منہج کے مطابق حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے فقہی مسالک کے درمیان تطبیق کی سعی فرمائی۔ یہ تطبیق حدیث کی بنیاد پر تھی، اور اس میں بڑی معقولیت تھی۔ تطبیق کے اس منہج کے اندر فقہی مسالک کی اپنی خصوصیات بھی برقرار رہتی ہیں، حدیث پر پوری طرح عمل ہر حال میں باقی رہتا ہے، اور فروعی مسائل میں امت کے لئے آسانی وسہولت کی راہ کھلی رہتی ہے۔ اور اختلافی مسائل میں کسی بھی رائے پر عمل کرنے والا جس طرح اپنے بارے میں یہ اطمینان رکھتا ہے کہ وہ شریعت پر عمل کر رہا ہے، اسی طرح وہ مخالف رائے پر عمل کرنے والے کے بارے میں بھی یہ اطمینان رکھ رہا ہوتا ہے کہ وہ بھی شریعت پر عمل کر رہا ہے، اور یہ دونوں ایک عمل کی ادائیگی کی دو شکلیں ہیں، دونوں شرعی ہیں اور دونوں درست ہیں۔ یہ احساس اور تصور باہمی دوری اور اجنبیت کو کم کرتا ہے، بے جا فقہی تعصب اور تشدد پیدا نہیں ہونے دیتا ہے، باہمی احترام کو فروغ دیتا ہے اور اس روش کو بروئے کار لاتا ہے جو عہد اول سے سلف صالحین کی روش رہی ہے۔

چٹھا باب:

فقہی اختلاف میں شاہ ولی اللہ کا معتدل موقف

فقہی اختلاف میں شاہ ولی اللہ کا معتدل موقف

فقہی اختلاف میں سلف کا طرزِ عمل:

فقہی اختلاف کے آغاز و وجود کی تاریخی ترتیب، فقہی اختلاف کی حیثیت وحقیقت اور اختلاف آراء کے اسباب کی مفصل وضاحت کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ایک انتہائی اہم پہلو پر روشنی ڈالی ہے، یہ ابتدائی ادوار میں سلف صالحین کے درمیان فقہی اختلافات کے سلسلہ میں ان کے طرزِ عمل کا پہلو ہے، یعنی اختلاف آراء کو صحابہ وتابعین اور سلف صالحین نے کس نظر سے دیکھا اور فقہی آراء کے فرق واختلاف میں ان کی روش کیا رہی۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ بتاتے ہیں کہ اہل علم نے اختلافی مسائل میں شدت نہیں برتی، بلکہ اپنی رائے کے خلاف عمل کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھا، یہ طرزِ عمل صحابہ کے یہاں بھی ملتا ہے اور ان کے بعد تابعین اور ائمہ مجتہدین بھی اسی روش پر گامزن رہے ہیں، چنانچہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے درمیان قراءت میں بسم اللہ پڑھنے اور نہ پڑھنے، آمین اور تسمیہ کو بلند آواز میں پڑھنے یا آہستہ آواز میں پڑھنے، فجر میں دعائے قنوت پڑھنے اور نہ پڑھنے، پچنہ، نکسیر، اور قے کی وجہ سے وضو کرنے اور نہ کرنے، اسی طرح شرمگاہ چھونے، عورت کو شہوت

کے ساتھ چھونے، آگ پر پکی چیز کے کھانے اور اونٹ کا گوشت کھانے کی وجہ سے وضو واجب ہونے اور نہ ہونے کے مسائل میں اختلاف رہا، اور دونوں رایوں پر عمل کیا جاتا رہا، لیکن اس اختلاف کے باوجود ایک رائے کے حاملین دوسری رائے کے ماننے والوں کے پیچھے بلا تکلف نماز پڑھتے تھے.......... امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام شافعی اور ان کے اصحاب مدینہ میں مالکی امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حالانکہ وہ سرے سے بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے، نہ آہستہ نہ بلند .... خلیفہ ہارون الرشید نے پچھنہ لگوایا اور نماز پڑھائی، اس لئے کہ امام مالک نے وضو نہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیا تھا، ان کے پیچھے امام ابو یوسف نے نماز پڑھی اور پھر نماز دوہرائی بھی نہیں جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، امام احمد بن حنبل کی رائے ہے کہ نکسیر اور پچھنہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، ان سے پوچھا گیا کہ اگر امام کو خون نکل آئے اور وضو نہ کرے تو آپ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ انہوں نے جواب دیا: بھلا میں کیسے امام مالک اور سعید بن المسیب کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا ہوں.......... امام ابو یوسف اور امام محمد عیدین کی نمازوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تکبیر کہا کرتے تھے کیونکہ ہارون الرشید کو اپنے دادا کی تکبیر پسند تھی.......... امام شافعی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ کی قبر کے قریب نماز پڑھی تو ان کے ادب میں قنوت چھوڑ دی اور فرمایا: ہم کبھی اہل عراق کے مذہب کی طرف بھی اتر آتے ہیں.......... ایک جمعہ کو امام ابو یوسف نے نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہو کر لوگ چلے گئے تو انہیں بتایا گیا کہ جس حمام سے انہوں نے غسل کیا تھا اس میں ایک چوہیا مری ہوئی تھی، تو انہوں نے فرمایا: تب ہم اہل مدینہ کے قول کو اختیار کر لیتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے سلف صالحین کی زندگی کے ان روشن نقوش کو پیش کرنے کے بعد بتایا کہ وہ اس نوع کے اختلافی مسائل میں سختی نہیں کرتے تھے اور سلف صالحین کے اس معتدل اور روادارانہ طرز عمل کی وجہ سے ہی علماء کرام ہمیشہ اجتہادی مسائل میں رواداری سے کام لیتے رہے۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

ولذلك لم يزل العلماء يجوزون فتاوى المفتين في المسائل

الاجتهادية ويسلمون قضاء القضاة ويعملون فی بعض الاحیان بخلاف مذھبھم (۴۵)

(اسی وجہ سے علماء ہمیشہ اجتہادی مسائل میں مفتیوں کے فتاوی کو جائز قرار دیتے تھے اور وہ قاضیوں کے فیصلوں کو صحیح تسلیم کرتے تھے اور بسا اوقات وہ اپنے مذہب کے خلاف بھی عمل کرتے تھے۔)

سلف صالحین کا یہ طرز عمل اور روش اس بات کی غماز ہے کہ اختلافی مسائل میں امت سے یہی معتدل طرز عمل اور رواداری انہ اسلوب مطلوب ہے اور ان مسائل میں شدت وسختی شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے۔

فقہائے محدثین کی جامع روش

فقہی اختلاف کی اس حیثیت وحقیقت اور اس کے تئیں سلف صالحین کی روش کے پیش نظر یہ بات فطری تھی کہ حضرت شاہ صاحب کا اپنا موقف بھی معتدل ہوتا، جو ایک طرف حدیث وسنت کے مطابق اور دلائل سے آراستہ ہوتا اور دوسری جانب شریعت کے عطا کردہ یسر وسہولت پر مبنی ہوتا۔

چنانچہ شاہ صاحب نے اپنے عمیق اور وسیع مطالعہ کی روشنی میں ایک جامع اور مدلل ومعتدل روش منتخب فرمائی، اس روش کا نام آپ نے "فقہائے محدثین کی روش" رکھا، اس روش کا مفہوم کیا ہے اور اس کے کیا عناصر ہیں؟ شاہ صاحب اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ علم حدیث اور اقوال مجتہدین کے درمیان جامعیت کا نام ہے، یعنی مجتہدین کے اقوال کو لیا جائے پھر انہیں حدیث کے سامنے پیش کیا جائے اور جو قول ظاہر ومعروف حدیث کے مطابق ہو اسے قبول کیا جائے، نہ تو مجتہدین کے اقوال سے استغناء برتی جائے اور نہ حدیث سے صرف نظر کر کے اقوال پر اصرار کیا جائے۔

فقہاء محدثین کی یہ روش شاہ صاحب کی نظر میں نہ تو ان اصحاب ظواہر کی روش کے

مطابق ہے جو حدیث سے اعتناء کرتے ہیں لیکن قیاس واجماع کا انکار کرتے ہیں، اور نہ ان اصحاب حدیث سے میل کھاتی ہے جو مجتہدین کے اقوال کو سرے سے دیکھتے ہی نہیں ہیں، البتہ یہ روش ان اصحاب حدیث سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے جنہوں نے اقوال مجتہدین کو اختیار کر کے ان میں وہی عمل کیا جو خود ان مجتہدین نے صحابہ وتابعین کے مسائل واقوال میں کیا تھا۔

آپ لکھتے ہیں:

فهذه طريقة المحققين من فقهاء المحدثين وقليل ما هم، وهم غير الظاهرية من اهل الحديث الذين لايقولون بالقياس ولا الاجماع، وغير المتقدمين من اصحاب الحديث ممن لم يلتفتوا الى اقوال المجتهدين اصلا، ولكنهم اشبه الناس باصحاب الحديث لانهم صنعوا فى اقوال المجتهدين ما صنع اولئك فى مسائل الصحابة والتابعين۔ (۴۶)

(یہی فقہاء محدثین میں سے محققین کا طریقہ ہے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں، یہ وہ اہل حدیث میں ظاہر یہ نہیں ہیں جو قیاس اور اجماع کے قائل نہیں ہیں، اور نہ متقدمین میں سے وہ اصحاب حدیث ہیں جو مجتہدین کے اقوال کو سرے سے دیکھتے ہی نہیں ہیں۔ البتہ یہ لوگ اصحاب حدیث سے زیادہ مشابہ ہیں، اس لئے کہ یہ مجتہدین کے اقوال میں وہی عمل کرتے ہیں جو انھوں نے صحابہ وتابعین کے مسائل میں کیا۔)

حدیث وفقہ کی جامع اس روش کو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے اس وقت منتخب فرمایا جب چاروں فقہی مسالک کی کتابوں، ان کے اصول فقہ اور ان کی مستدل احادیث کا مطالعہ کر لیا، نیز اس روش کے انتخاب میں نور غیبی کی مدد بھی ان کے شامل حال رہی، لیکن شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو اس بات کا احساس رہا کہ اس روش پر چلنے والے افراد تاریخ میں قلیل ہیں۔ (۴۷)

حضرت شاہ ولی اللہ کا عمل

حضرت شاہ صاحب نے اسی روش کے مطابق اپنی تصنیفات میں عمل کرنے کی کوشش فرمائی ہے، اسی روش پر عمل کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب کا یہ ارادہ تھا کہ فقہ حنفی کو سنت کے مطابق کیا جائے، اور اس کا ایک طریقہ آپ نے طے فرمایا تھا جو آپ کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

ثم کشف لی انموذجا ظهر لی منه کیفیة و تطبیق السنة بفقه الحنفیة من الاخذ بقول احد الثلاثة و تخصیص عموماتهم والوقوف علی مقاصدهم والاقتصار علی ما یفهم من لفظ السنة ولیس فیه تاویل بعید ولا ضرب بعض الاحادیث بعضا ولا رفضا لحدیث صحیح بقول احد من الامة ، وهذه الطریقة ان اتمها الله تعالی واکملها فهی الکبریت الاحمر والاکسیر الاعظم ۔(۴۸)

(پھر میرے لئے ایک نمونہ واضح ہوا جس سے ظاہر ہوا کہ سنت کے ساتھ فقہ حنفی کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ احناف کے ائمہ ثلاثہ کے اقوال میں سے کسی ایک کا قول لیا جائے، ان کے عام حکموں کی تخصیص کی جائے، ان کے مقاصد سے واقفیت بہم پہنچائی جائے اور لفظ سنت سے جو کچھ سمجھ میں آئے اس پر اس طرح اکتفا کیا جائے کہ اس میں نہ تاویل بعید ہو نہ بعض احادیث کو بعض سے ٹکرانے کی نوبت آئے اور نہ امت کے کسی فرد کے قول کے مقابلہ میں کسی حدیث کو چھوڑنا پڑے۔ اس طریقہ کو اللہ تعالیٰ اگر پورا کرا دے تو یہ کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہے۔)

غور کیا جائے تو اس طریقہ میں بھی دراصل شاہ صاحب کی منتخب روش کی عکاسی نظر آتی

ہے۔

فقہی مسالک کے درمیان تطبیق کا جو منہج آپ نے اختیار فرمایا اور اپنی بعض تصنیفات میں اس پر عمل کیا وہ بھی اسی روش کے مطابق تھا۔

فقہی اختلاف کے باب میں حضرت شاہ صاحب کی یہ روش مدلل بھی ہے اور معتدل بھی، سلف کے طرز عمل سے ہم آہنگ بھی اور تشدد و غلو سے دور بھی۔ شاہ صاحب کی شدید خواہش اور زبردست سعی تھی کہ اسلامی شریعت کی یہ مطلوبہ روش اہل علم میں عام ہو جائے، ان کا طرز عمل سلف صالحین کے مطابق بنے اور فقہی اختلافات کے اندر بے جا تعصب و تشدد کی وجہ سے اسلامی معاشرہ کے تانے بانے جس طرح بکھر رہے ہیں اور غیر اسلامی طرز عمل سے جس طرح یہ معاشرہ آلودہ اور داغدار ہو رہا ہے، ان تمام خرابیوں سے یہ پاک و صاف ہو جائے۔

ساتواں باب:

اجتہاد اور تقلید
شاہ ولی اللہ کی رائے

اجتہاد اور تقلید۔ شاہ ولی اللہ کی رائے

اعتدال وانصاف سے دور ایک موضوع اجتہاد اور تقلید کا بھی شاہ صاحب کے پیش نظر تھا۔آپ دیکھ رہے تھے کہ کہیں تو اجتہاد پر اس قدر زور ہے کہ ہر کس وناکس کے لئے اجتہاد کو لازم کیا جا رہا ہے۔اور کہیں اہل علم ودانش بھی کورانہ تقلید کے گرویدہ ہو کر اجتہاد کے دروازہ کو بند کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور قرآن وسنت کے سرچشموں سے براہ راست استفادہ سے محروم بنے ہوئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے اس موضوع پر بھی اپنا محققانہ ومعتدلانہ نقطۂ نظر پیش کیا،اور بڑی حقیقت پسندی،اسلامی مزاج سے آشنائی اور غایت اعتدال کا ثبوت دیتے ہوئے موضوع پر گفتگو فرمائی۔

آپ نے دیکھا کہ امت میں تمام افراد یکساں صلاحیت وعلم کے حامل نہیں ہیں اور سبھوں کے لئے یکساں حکم نہیں ہوسکتا۔چنانچہ بنیادی طور پر آپ نے ایک طرف عوام الناس کو رکھا اور دوسری طرف اہل علم کو،اور دونوں کے لئے ان کے حسب حال حکم بتایا،تاکہ اہل علم سہل پسندی اور غلط تعصب کا شکار بن کر اپنی شرعی ذمہ داریوں سے راہ فرار نہ اختیار کریں،اور عوام الناس پر ان کی وسعت وطاقت سے بالاتر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈال دیا جائے جسے وہ نہ اٹھا سکیں اور خدانخواستہ شریعت ہی سے بیزار ہو جائیں۔

حضرت شاہ صاحب نے اس تقسیم میں دور نبوی اور عہد صحابہ و خیر القرون کے احوال کو پیش نظر رکھا اور واضح کیا کہ اس وقت بھی اہل علم تو اپنی شرعی ذمہ داریوں میں مصروف رہتے تھے، لیکن عوام الناس کبھی اپنے علاقہ کے اہل علم و شیوخ اور اپنے بزرگوں کو دیکھ کر اور کبھی جہاں جو عالم میسر آیا اس سے پوچھ کر مسائل پر عمل کرتے تھے (۴۹)۔

شاہ صاحب نے امت کے افراد کی تقسیم کی پھر اجتہاد اور تقلید دونوں کا حکم بتایا اور اس کے بعد متعین طور پر واضح فرمایا کہ اجتہاد کا حکم کن اشخاص کے لئے ہے اور تقلید کی اجازت کن لوگوں کے لئے ہے۔

اجتہاد

اجتہاد کے بارے میں شاہ صاحب کی رائے ہے:

ان الاجتهاد فی کل عصر فرض کفاية (۵۰)

(اجتہاد ہر زمانہ میں فرض کفایہ ہے)

یعنی کوئی دور ایسا نہیں ہونا چاہئے جس میں امت کے اندر اجتہاد کا عمل جاری نہ ہو۔ اجتہاد کی صفات اور شرائط پر دیگر اہل علم کی طرح شاہ صاحب نے بھی روشنی ڈالی ہے۔ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

> وشرطه انه لا بد له ان یعرف من الکتاب والسنة ما یتعلق بالاحکام ومواقع الاجماع وشرائط القیاس و کیفیة النظر وعلم العربیة والناسخ والمنسوخ وحال الرواة ۔(۵۱)
>
> (اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ قرآن اور سنت میں جو کچھ احکام سے متعلق ہے اس سے واقف ہو، اجماع کے مواقع کا علم ہو، قیاس کی شرائط اور غور و فکر کے طریقے جانتا ہو، عربی زبان آتی ہو اور ناسخ و منسوخ اور راویوں کے احوال کی واقفیت ہو)

لیکن اپنی رائے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ مجتہد مستقل کی موجودگی ضروری ہے، بلکہ ہر زمانہ میں کم از کم کسی مجتہد منتسب کا ہونا ضروری ہے، اور مجتہد منتسب وہ ہے جو حدیث اور اپنے اصحاب کی فقہ دونوں کا جامع ہو(۵۲)۔

اسی طرح شاہ صاحب کی رائے ہے کہ تجزی اجتہاد بھی درست ہے۔یعنی یہ کہ کوئی شخص ایک موضوع میں اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو اور دوسرے موضوع پر نہ رکھتا ہو(۵۳)۔

حضرت شاہ صاحب کی یہ رائے انتہائی معتدل ہے، کیونکہ رواں دواں زندگی کے ساتھ شریعت اسلامی کو ہم آہنگ رکھنے کے لئے نئے مسائل کا حل پیش کرنا اور حالات زمانہ پر مسائل کو منطبق کرنا ضروری امر ہے، اور یہ امر اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں، البتہ اجتہاد مطلق کی صلاحیت رکھنے والے افراد کا پایا جانا ایک تو آسان نہیں ہے دوسرے یہ کہ اجتہاد مطلق کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ مجتہد منتسب سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے، اس لئے شاہ صاحب نے ہر زمانہ میں مجتہد منتسب کی موجودگی ضروری قرار دی ہے۔

تقلید:

جہاں تک تقلید کا تعلق ہے، شاہ صاحب نے یہاں بھی معتدل راہ اختیار کرتے ہوئے نفس تقلید کو درست قرار دیا، اور وضاحت کے ساتھ بتایا کہ کسی عالم راشد کی اتباع اس جذبہ واعتقاد کے ساتھ کی جاتی ہے کہ اس میں دراصل رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے۔ جو شخص خود یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ کسی مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم جان سکے، وہ کسی قابل اعتماد عالم سے پوچھ لیتا ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ ورسول کا کیا حکم ہے، یہ افتاء اور استفتاء نبی کریم ﷺ کے عہد سے مسلمانوں کے درمیان چلا آرہا ہے، اس کا انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے(۵۴)۔

اجتہاد اور تقلید دونوں کے فی ذاتہ احکام بتانے کے بعد حضرت شاہ صاحب نے افراد امت کی تعیین کرتے ہوئے بتایا کہ کن افراد کے لئے اجتہاد ضروری ہے اور کس فکر وخیال کے ساتھ تقلید حرام ہے؟ اسی طرح کن افراد امت کے لئے تقلید نہ صرف جائز ہے، بلکہ اس کے

جواز پر اجماع پایا جاتا ہے اور اس جائز تقلید کے پس پشت کیا جذبہ وخیال ہونا چاہئے؟ نیز تقلید کے تیئں کیا روش وطرز عمل ہونا چاہئے؟ اور تقلید کرنے کی حالت میں کس موقع پر تقلید پر اصرار حرام ہو جاتا ہے؟

حرام تقلید:

اجتہاد کے بارے میں شاہ صاحب کی رائے گذر چکی ہے کہ وہ ہر زمانہ میں فرض کفایہ ہے۔ وہ کون سے لوگ ہیں جن کے لئے اجتہاد ضروری ہے؟ اور کن لوگوں کے لئے تقلید حرام ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ بڑی وضاحت کے ساتھ بتاتے ہیں کہ اجتہاد کا حکم ہر ایسے شخص کے لئے ہے جسے ایک گونہ بھی اجتہاد کی صلاحیت حاصل ہو، خواہ ایک ہی مسئلہ کے اندر کیوں نہ ہو۔ گویا جس شخص کے اندر جس مسئلہ میں بھی اجتہاد کی اہلیت ہے، اس پر ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد سے کام لے اور سہل پسندی اپناتے ہوئے صرف تقلید پر قانع نہ بنا رہے۔ شاہ صاحب کی رائے ہے ایسے شخص کے لئے اس مسئلہ میں تقلید حرام ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک چار قسم کے لوگوں کے لئے تقلید حرام ہے، ایک قسم تو یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ بقیہ جن تین اقسام کے لوگوں کے لئے تقلید حرام ہے، ان کا تعلق ان لوگوں کی صلاحیت اجتہاد کے بجائے تقلید کے پس پشت کارفرما اعتقاد وخیال سے ہے، چنانچہ دوسری قسم میں ایسے شخص کے لئے تقلید حرام ہے جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم یا ممانعت صاف ظاہر ہو جائے اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ حکم یا ممانعت منسوخ نہیں ہے، پھر بھی وہ اس حدیث کے خلاف عمل کرے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ ایسے عامی شخص کے لئے تقلید حرام ہے جو کسی معین فقیہ کی تقلید اس اعتقاد کے ساتھ کرے کہ اس فقیہ سے خطا ممکن نہیں ہے اور اس کے خلاف دلیل ظاہر ہو جائے تب بھی وہ اس فقیہ کا قول ترک نہیں کرے گا۔ چوتھی قسم کے لوگ جن کے لئے تقلید حرام ہے وہ ہیں جو اس بات کو جائز نہ سمجھتے ہوں کہ مثال کے طور پر کوئی حنفی کسی شافعی سے مسئلہ پوچھ لے یا اس کی تقلید کر لے، اسی طرح کوئی شافعی کسی حنفی سے مسئلہ

پوچھ لے یا اس کی تقلید کر لے۔ یہ وہ چار قسم کے افراد امت ہیں جن کے لئے تقلید شاہ صاحب کے نزدیک حرام ہے (۵۵)۔

جائز تقلید:

ان چار اقسام کے علاوہ جو عوام الناس ہیں، شاہ صاحب کی رائے ہے کہ ان کے لئے تقلید جائز ہے، بلکہ اتباع نفس اور خواہش پرستی سے بچانے کے لئے مصلحت اسی میں ہے کہ وہ تقلید کریں، اور وہ بھی صرف مذاہب اربعہ کی تقلید کریں، کیونکہ اب یہی چار فقہی مذاہب مستند اور محقق طریقہ پر موجود ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

ولیس مذهب فی هذه الازمنة المتاخرة بهذه الصفة الا هذه المذاهب الاربعة ـ(۵۶)

(بعد کے اس زمانہ میں اب ان خصوصیات کے ساتھ سوائے مذاہب اربعہ کے اور کوئی مذہب نہیں ہے)

مزید فرماتے ہیں:

اعلم ان فی الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظیمة، وفی الاعراض عنها کلها مفسدة کبیرة ـ(۵۷)

(واضح رہنا چاہئے کہ ان مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے میں عظیم مصلحت ہے اور ان سب کو چھوڑ دینا بہت بڑا مفسدہ ہے۔)

ایک اور موقع پر بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ان هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من یعتد به منها علی جواز تقلیدها الی یومنا هذا، وفی ذلك من المصالح ما لا یخفی ـ(۵۸)

(یہ چاروں مذاہب جو مدون اور محفوظ ہیں، پوری امت یا امت کے قابل ذکر لوگوں کا آج تک اس بات پر اجماع ہے کہ ان کی تقلید جائز ہے، اور اس میں جو مصالح ہیں وہ مخفی نہیں ہیں۔)

عوام الناس اور عامیوں کے لئے مذاہب اربعہ کی تقلید کے جواز پر حضرت شاہ صاحب نے پوری امت کے قابل ذکر لوگوں کا اجماع نقل کیا ہے، اور اسے مبنی بر مصالح قرار دیا ہے۔

لیکن شاہ صاحب کی منصفانہ فکر یہاں بھی کارفرما نظر آتی ہے، فرماتے ہیں کہ تقلید میں بھی ہمیشہ اعتدال پسندی ملحوظ رکھنی ضروری ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس مذہب کی تقلید کی جارہی ہے، جب بھی کسی مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث یا قوی دلیل اس مذہب کے خلاف ملے تو اس مسئلہ میں تقلید کو ترک کر دینا اور حدیث کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

پچھلے صفحات میں تفصیل سے ذکر ہو چکا کہ ائمہ مجتہدین کے مختلف مذاہب میں سے اب صرف چار مذاہب ایسے رہ گئے ہیں جن کے اقوال وتحقیقات صحیح سندوں کے ساتھ محفوظ ہیں اور جن پر مختلف پہلوؤں سے خدمت انجام دی جا چکی ہے، اسی لئے حضرت شاہ صاحب کی رائے گذری کہ عوام الناس کے لئے صرف ان ہی مذاہب کی تقلید میں مصلحت ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان چار مذاہب فقہیہ میں سے کسی ایک معین مذہب کی پابندی ضروری ہے، اور ایک مذہب کی تقلید کرنے والا دوسرے مذہب پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں شاہ صاحب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ چونکہ چاروں فقہی مذاہب برابر ہیں، ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت یا فضیلت حاصل نہیں ہے اور بیشتر فروعی مسائل میں محض افضل اور غیر افضل کی تعیین کا اختلاف ہے، اس لئے ایک شرط کے ساتھ عوام الناس کے لئے مذاہب اربعہ میں سے کسی معین مذہب کی پابندی ضروری نہیں ہے، وہ شرط یہ ہے کہ اس کے پیچھے خواہش پرستی اور اتباع ہویٰ کارفرما نہ ہو، البتہ جہاں ایک ہی معین مذہب کے اہل علم پائے جاتے ہوں وہاں کے عوام الناس کے لئے صرف اسی مذہب معین کی پابندی ضروری ہوگی (٥٩)۔

آٹھواں باب:

فقہی اختلاف کے بارے میں
معاصر علماء اسلام کا فیصلہ

اختلافی مسائل کی حقیقت

مختلف مسالک کے اکابر علماء ہند کا متفقہ فیصلہ

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا ہندوستان میں ایک مستند فقہی ادارہ ہے ، جس کا قیام ۱۹۸۹ء میں قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے ذریعہ عمل میں آیا ۔ اس کی جانب سے منعقد ہونے والے فقہی سیمیناروں میں ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء ، ارباب افتاء و تحقیق اور جدید علوم کے ماہرین بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں اور شریعت کی روشنی میں غور وخوض کے بعد اجتماعی فیصلے کرتے ہیں ۔ اکیڈمی کے بارہویں فقہی سمینار منعقدہ ۱۱ تا ۱۴ فروری بمقام بستی (یوپی) میں مذکورہ بالا موضوع پر درج ذیل فیصلے باتفاق آراء کئے گئے ۔

۱۔ احکام شرعیہ کے دو حصے ہیں: منصوص اور غیر منصوص، منصوص سے مراد وہ احکام شرعیہ ہیں جو کتاب وسنت میں مذکور ہیں، اور غیر منصوص سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق

ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کے اجتہاد و استنباط سے ہے۔ بلا شبہ ائمہ وفقہاء کے اجتہادات واستنباطات اوران کا فقہی ذخیرہ ہمارا قیمتی سرمایہ اور شریعت اسلامیہ کا حصہ ہیں۔

۲۔ ائمہ مجتہدین کے درمیان مسائل میں جو اختلاف رائے ہے وہ اختلاف حق و باطل نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ مسائل کی ایک بڑی تعداد وہ ہے جن میں افضل، غیر افضل، راجح، غیر راجح کا اختلاف ہے۔ باقی مسائل میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ ایک رائے صواب باحتمال خطا اور دوسری رائے خطا باحتمال صواب پر محمول ہے۔

۳۔ عامی جو کتاب وسنت اور دلائل شرعیہ سے واقف نہیں ہے، اس کے لئے راہ عمل یہ ہے کہ وہ کسی معتمد و مستند عالم دین سے مسئلہ شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرے، وہ اسی طرح شریعت پر عمل پیرا قرار دیا جائے گا۔

۴۔ ائمہ مجتہدین کی آراء پر عمل کرنے والی مختلف جماعتوں یا افراد کا ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا یا ان اکابر سلف کی مذمت کرنا یا ان کے فقہی استنباطات کو تمسخر کا نشانہ بنانا قطعا حرام ہے۔ اور یہ کسی مسلمان کے لئے دنیا وآخرت میں سخت بدنصیبی اور خسارہ کا سبب ہے۔

۵۔ اختلافی مسائل میں سلف صالحین کی روش رواداری، ادب واحترام، ایک دوسرے کے مقام ومنصب کو ملحوظ رکھنے اور ان کے علوم ومعارف کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنے کی رہی ہے۔ ان حضرات نے علمی مباحثات میں ان آداب کی پوری رعایت کی ہے، بلاشبہ سلف صالحین کی روش ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ افراد امت کی ذمہ داری ہے کہ اسی روش کو اختیار کریں اور اختلافی مسائل میں راہ اعتدال پر چلیں۔

۶۔ اگر وقت اور حالات کی تبدیلی سے معاشرہ کسی مشکل صورت حال کا شکار ہو اور ائمہ مجتہدین کی فقہی آراء میں سے ایک پر عمل حرج اور دشواری کا باعث ہو اور دوسری فقہی

رائے پر عمل سے یہ حرج دور ہو جائے تو ایسی صورت میں علماء وفقہاء جو اصحاب ورع وتقوی اور ارباب علم وفہم ہوں ان کے لئے دوسری رائے پر فتوی دینا جائز ہے جو باعث دفع حرج ہو، البتہ اس طرح کے مسائل میں انفرادی طور پر فتوی دینے کے بجائے اجتماعی طریقہ اختیار کیا جائے۔

۷۔ ایسے مسائل جن میں مستند علماء وفقہاء کی ایک جماعت عدول کی ضرورت سمجھے اور مسئلہ مجتہد فیہ میں ایک خاص فقہی رائے کو دفع حرج کے لئے اختیار کرے اور اس پر فتوی دے، اور دوسری جماعت اس سے اختلاف کرے اور اس فقہی رائے کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے، ایسی صورت میں عام لوگوں کے لئے اس رائے پر عمل کرنا جائز ہے جس میں عدول کر کے سہولت کی راہ اختیار کی گئی ہے، اور اصحاب افتاء کیلئے اس رائے پر بھی فتوی دینا جائز ہے۔(۶۰)

فقہی اختلاف - اللہ کی حکمت و رحمت

رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کا فیصلہ

عالم اسلام کا ایک مؤقر ادارہ رابطه عالم اسلامی (مکه مکرمه) ہے۔ رابطه کے تحت " المجمع الفقہی الاسلامی " قائم ہے جو نئے مسائل و موضوعات پر غور وخوض کے لئے فقہی سیمیناروں کا انعقاد کرتا ہے۔ عالم اسلام کی باکمال علمی شخصیات اور اکابر فقہاء اس کے ارکان ہیں۔ اور ان کے طے کردہ شرعی فیصلے اہم علمی وزن رکھتے ہیں۔ المجمع الفقہی الاسلامی نے اپنے ایک سیمینار میں فقہی اختلاف کے موضوع پر غور وخوض کیا۔ اور درج ذیل متفقہ فیصلے کئے۔

اکیڈمی کے اس اجلاس میں مروجہ مسالک کے درمیان فقہی اختلاف کے ساتھ اس بات پر غور کیا گیا کہ ان مسالک کے کچھ ماننے والوں کے اندر اپنے مسلک کے تئیں سخت و ناروا تعصب پایا جاتا ہے جو اعتدال کی سرحدوں سے آگے نکل کر دوسرے مسالک اور ان کے علماء پر طعن و تشنیع تک جا پہنچتا ہے۔ اختلاف مسالک کے تئیں جدید نسل اس اختلاف کی بنیاد اور مفہوم

سے نا آشنا ہے، اور گمراہ کرنے والے انہیں یہ غلط باور کراتے ہیں کہ جب شریعت ایک ہے، اس کے اصول قرآن اور سنت ایک ہیں تو پھر یہ فقہی مسالک کا اختلاف کیوں ہے؟ ان سارے مسالک کو کیوں نہ ایک کر دیا جائے تاکہ تمام مسلمانوں کا مسلک بھی ایک ہو اور احکام شریعت کا فہم بھی ایک ہو۔

اجلاس میں مسلکی تعصب اور اس سے پیدا ہونے والی مشکلات کا بھی جائزہ لیا گیا، جن میں خصوصا جدید رجحانات کے پیروکار ایک نئے اجتہادی لائن کی آواز اٹھا رہے ہیں اور بالکل ابتدائی اسلامی صدیوں سے قائم نیز امت مسلمہ کے درمیان قبول عام حاصل کئے ہوئے ان فقہی مسالک پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ ان مسالک کے ائمہ مجتہدین پر زبان درازی اور بعض ائمہ کو گمراہ بتا کر لوگوں کے درمیان فتنہ برپا کرتے ہیں۔ اس موضوع کے مختلف پہلوؤں، اس سے وابستہ امور و مسائل اور فتنہ و گمراہی کے نتائج کے پیش نظر تعصب پسندوں اور گمراہ کرنے والوں ہر دو فریق کو تنبیہ کے طور پر اکیڈمی اپنے درج ذیل فیصلہ سے آگاہ کرتی ہے:

اول: اختلاف مسالک

اسلامی ممالک میں پائے جانے والے فکری مسالک کے اختلاف کی دو نوعیتیں ہیں:

الف) اعتقادی مذاہب کا اختلاف۔

ب) فقہی مذاہب کا اختلاف۔

پہلی نوعیت یعنی اعتقادی اختلاف فی الواقع ایسی مصیبت ہے جس نے عالم اسلام میں بڑے بڑے حادثات برپا کئے ہیں، مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور اختلاف کو خوب ہوا دی ہے جو بہت ہی افسوسناک امر ہے، اور اس کا خاتمہ بہت ضروری ہے، پوری امت کا فرض ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک اختیار کر لیں جو عہد رسالت اور اس عہد خلافت راشدہ دونوں کا نمائندہ ہے جسے اللہ کے رسول نے عہد رسالت کا امتداد قرار دیتے ہوئے اعلان فرمایا تھا کہ:

''تم لوگ میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامو اور اس پر جم جاؤ''۔

دوسری نوعیت جو بعض مسائل میں فقہی اختلاف کی ہے اس کے پس پشت کچھ علمی اسباب ہیں جن میں اللہ کی عظیم حکمت اور بندوں پر اس کی رحمت کارفرما ہے، ساتھ ہی اس کی وجہ سے نصوص سے استنباط احکام کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔

یہ اختلاف ایک نعمت اور عظیم قانونی فقہی سرمایہ ہے، جس نے امت مسلمہ کو اپنے دین وشریعت کی بابت انتہائی کشادگی وآسانی عطا کی ہے۔ امت مسلمہ اس کی وجہ سے کسی ایک شرعی تطبیق میں اس طرح محدود ہو کر نہیں رہ جاتی ہے کہ اس سے تجاوز کا امکان نہ ہو، بلکہ اگر کبھی ایک مسلک کے لحاظ سے کوئی تنگی ودشواری آجاتی ہے تو دوسرے مسلک میں اس کے لئے کشائش وآسانی میسر ہوتی ہے، عبادات سے لے کر معاملات، خانگی امور اور قضاء وجنایات تک تمام میدانوں میں شرعی دلائل کی روشنی میں یہ کشائش میسر رہتی ہے۔

دوسری نوعیت کا یہ فقہی اختلاف ہمارے دین میں کوئی نقص یا تناقض نہیں رہا ہے اور نہ ہرگز اسے تناقض ونقص قرار دیا جاسکتا ہے، دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں ہے جس کے پاس فقہ واجتہاد کے ساتھ قانون سازی کا مکمل نظام ہو اور اس میں یہ فقہی اور اجتہادی اختلاف نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے اختلاف کا نہ ہونا ناممکن ہے، کیونکہ اصل نصوص بیشتر امور میں ایک سے زائد مفہوم ومعنی کا احتمال رکھتے ہیں، نیز یہ نصوص تمام امکانی واقعات کا احاطہ کر بھی نہیں سکتے ہیں، بقول بعض علماء نصوص محدود ہیں اور واقعات لامحدود، لہذا قیاس کی طرف رجوع کرنا اور علل احکام، شارع کی غرض، شریعت کے عام مقاصد پر نظر رکھنا اور شریعت کو واقعات اور نئے نئے حادثات میں حکم وفیصل بنانا ضروری ہے، اور اس تطبیق واجتہاد میں علماء کے فہم وفقہ اور احتمالات کے درمیان ترجیحات کی تعیین میں اختلاف ایک فطری بات ہے، جس کی وجہ سے ایک ہی موضوع پر مختلف علماء کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں، جبکہ حق کی تلاش ودریافت ہی ہر ایک کا مقصود ہوتا ہے، اور اس

میں جس کا اجتہاد صحیح ہو وہ دوہرے اجر کا مستحق ہوتا ہے، اور جس سے غلطی ہو جائے وہ بھی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے، اسطرح کشایش کا دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے اور دشواری وتنگی دور ہو جاتی ہے۔

پس اس فقہی اختلاف کے وجود میں کہاں سے کوئی نقص ہوگا، یہ تو سراپا خیر ورحمت اور فی الواقع بندوں پر اللہ کی رحمت وشفقت اور نعمت ہے، اور ساتھ ہی فقہ وقانون سازی کی دنیا میں ایسا عظیم سرمایہ اور امتیاز ہے جس پر امت مسلمہ بجاطور پر فخر کرسکتی ہے۔

لیکن اسلام کو اپنی آنکھوں میں کھٹکنے والا کانٹا سمجھنے والے دشمنان اسلام مسلم نوجوانوں، بالخصوص بیرونی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ کی اسلامی ثقافت ومعلومات میں کمی کا استحصال کرتے ہوئے انہیں یہ باور کرانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں کہ فقہی اختلاف بھی اعتقادی اختلاف کی مانند ظلم اور شریعت میں تناقض وتضاد ہے، اور دونوں کے درمیان کے زبردست فرق پر پردہ ڈال جاتے ہیں۔

دوم:

جہاں تک دوسرے طبقہ کا تعلق ہے جو ان تمام مسالک ہی کو پس پشت ڈال دینا چاہتا ہے اور لوگوں کو ایک نئے اجتہاد کی دعوت دیتے ہوئے موجودہ فقہی مسالک اور ان کے ائمہ عظام کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتا ہے۔ اوپر پیش کردہ ان فقہی مسالک کی اہمیت وامتیاز اور ان کے ائمہ کی عظیم خدمات کے پیش نظر اس طبقہ کو چاہیے کہ اس ناپسندیدہ اور گھٹیا طرز عمل سے گریز کرے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرتا ہے، اور انہیں ایسے نازک وقت میں منتشر کرتا ہے جس میں دشمنان اسلام کی خطرناک سازشوں کے مقابلہ میں پوری امت کو ایک جھنڈے تلے جمع ہو جانے کی سخت ترین ضرورت درپیش ہے۔ (۶۱)

(اس فیصلہ پر درج ذیل اہم شخصیات نے دستخط فرمائے ہیں)

اسمائے دستخط کنندگان

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	رئیس المجمع الفقہی الاسلامی
ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف	نائب رئیس
شیخ محمد بن جبیر	رکن
شیخ ڈاکٹر بکر عبداللہ ابوزید	رکن
شیخ عبداللہ العبدالرحمٰن البسام	رکن
شیخ صالح بن فوزان بن عبداللہ	رکن
شیخ محمد بن عبداللہ بن السبیل	رکن
شیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء	رکن
شیخ محمد محمود الصواف	رکن
شیخ ابوالحسن علی الحسنی الندوی	رکن
شیخ محمد رشید راغب قبانی	رکن
شیخ محمد الشاذلی النیفر	رکن
شیخ ابوبکر جومی	رکن
شیخ ڈاکٹر احمد فہمی ابوسنہ	رکن
شیخ محمد الحبیب بن الخوجہ	رکن
شیخ محمد سالم بن عبدالودود	رکن
شیخ ڈاکٹر طلال عمر بافقیہ	رکن

خلاصہ کلام:

آخری بات

آخری بات

اسلام دین فطرت اور آسان شریعت ہے، انتہائی معتدل اور ہمیشہ قابل عمل ہے، اسلام کی فکر اپنی بنیادوں میں ٹھوس اور اپنی تفصیلات میں لچک دار ہے، اور اسلام پر عمل مختلف اشخاص کے مزاج اور زمان ومکان کے اختلاف میں موزوں ہے، اور اس موزونیت وہم آہنگی کی ایک اہم وجہ 'فقہی اختلاف' ہے۔

فقہی اختلاف باعث رحمت وسہولت رہا، اور ہے، اور امت کے ان گنت مسائل اس اختلاف سے حل ہوئے ہیں، فقہی اختلاف کے بارے میں یہی صحیح نقطۂ نظر ہے جس کا اظہار عمل اور علم دونوں سطح پر ہوتا رہا ہے، اور جب جب کبھی روش علم وعمل میں کسی جانب سے انحراف جھلکا، عادلین امت نے اس کی اصلاح کی۔

برصغیر کے ماضی قریب اور حال میں اس انحراف فکر وعمل نے بڑی نامناسب شکل اپنالی جس نے حاملین علم نبوت کو بے چین کر دیا اور وہ اپنے فرض شرعی کی ادائیگی کے لئے بے تابانہ نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہویں صدی ہجری کے ایسے ہی ماحول سے بے چین ہو کر فقہی اختلاف کے موضوع پر اپنا قلم اٹھایا، اور حجۃ اللہ البالغہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، المسوی اور المصفی شرح موطا، فیوض الحرمین، تفہیمات اور دیگر کتب ورسائل میں پوری استدلالی قوت اور اعتدال کے

ساتھ لکھ کر موضوع کے مختلف پہلوؤں کو واشگاف کیا، اور انحراف فکر و عمل کی اصلاح فرمائی۔

گذشتہ صفحات میں حضرت شاہ دہلوی کے ان افکار و خیالات اور نقاط نظر کو کچھ تفصیل کے ساتھ آسان پیرایہ زبان میں بیان کیا گیا ہے، یہ تفصیلات بڑی طاقت اور سچائی کے ساتھ فقہی اختلاف کی حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہیں، اور اس حقیقت کے آئینہ میں انحراف فکر و عمل کا رویہ بہت بدنما نظر آتا ہے۔ حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں نے واضح کر دیا کہ:

فقہی اختلاف صرف فروعی مسائل میں ہے، جن کے بڑے حصہ میں اختلاف کی نوعیت صرف یہ ہے کہ دو طریقوں میں سے افضل کون ہے؟ دونوں پر عمل کیا جاتا رہا ہے۔ اور جس پر بھی عمل کر لیا جائے کافی ہے، اس اختلاف کے پیچھے نہایت معقول علمی اسباب ہیں۔ اور ان اسباب کے بھی پس پشت اللہ کی عظیم حکمت کارفرما ہے۔ اختلاف ہی کی وجہ سے تمام امت کے لئے شریعت پر عمل آسان رہا اور ہر دور کی تنگی میں کشایش پیدا ہوتی رہی۔ ابتدائی ادوار سے سلف صالحین نے اختلاف کو اسی نظر سے دیکھا، اسی طرح برتا اور اسی نقطۂ نظر کے مطابق عمل کیا، اسی اختلاف فقہی کا دوسرا نام 'فقہی مسالک' ہے، چار فقہی مسالک کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ مستند طریقہ پر محفوظ رہے اور ان میں تنقیح و تحقیق کا عمل خوب خوب جاری رہا، اصل مصدر وسرچشمہ قرآن وسنت ہیں اور اس کی واضح و محکم دلیل کے سامنے کسی قول غیر کا کوئی اعتبار نہیں۔ جاننے اور سمجھنے والے خود جان اور سمجھ کر عمل کریں گے اور نہ جاننے والے قابل اعتماد جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں گے۔ امت میں بنیادی طور پر یہی دو قسم کے افراد ہیں، اور ان کی وسعت وطاقت کے عین مطابق ہی پہلے کا طریقہ اجتہاد اور دوسرے کا عمل تقلید کا نام پاتا ہے۔

شاہ محدث دہلوی کا یہ نقطۂ اعتدال اور موقف معتدل کیسا آسان، فطری اور معقول ہے، جو دراصل آسان، فطری اور معقول دین اسلام کا موقف ہے، اور چودہ صدیوں کی وسیع تاریخ کے ہر دور میں یہ موقف سامنے آتا رہا ہے۔

اب پندرہویں صدی ہجری ہے۔ فقہی اختلاف کے اسی میدان میں فکر و عمل کا وہی

انحراف پھر بھیس بدل کر چلا آرہا ہے، اور زخم خوردہ امت کو زخم کے کچو کے لگائے جارہا ہے، ہندوستان کی اسلامک فقہ اکیڈمی اور عالم اسلام کی مکہ فقہ اکیڈمی برائے رابطہ عالم اسلامی نے اسی حالت زار سے بے چین ہو کر انحراف فکر وعمل کی اصلاح کی آواز لگائی ہے۔

ان دونوں اداروں سے جاری ہونے والے شرعی فیصلے دراصل پورے عالم اسلام کے تمام مکاتب فکر کے محقق علماء کی متفقہ آراء ہیں، ان فیصلوں نے بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ فقہی اختلاف کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ اختلاف نہ صرف دلائل پر مبنی اور ناگزیر ہیں بلکہ اس اختلاف سے امت کے لئے کشائش پیدا ہوتی ہے، اور یہ دراصل امت پر اللہ کی رحمت ہے اور اس میں اس کی عظیم حکمت ہے۔

عالم اسلام کے ان دونوں مستند اداروں کے متفقہ فیصلے امت کی دکھتی رگ پر انگلی رکھتے ہیں اور صحیح راہ عمل کی نشاندہی کر کے امت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے اس معتدل موقف کو اپنائیں۔ یہی معتدل موقف اور صحیح راہ عمل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحریروں کا حاصل ہیں۔

حضرت شاہ علیہ الرحمہ کا سرمایہ علم اسلامیان ہند کا قیمتی سرمایہ ہے، اس سرمایہ کے یہ زر وجواہر ایک 'موتی' کی شکل میں نذر قارئین کے گئے ہیں، کاش یہ آواز گوش شنوا پاسکے اور یہ موتی رخ اسلام کی تابانی میں کوئی حصہ لے سکے۔

☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

حواشی وحوالہ جات

(۱) سورہ حج:۷۸

(۲) سورہ بقرہ:۱۸۵

(۳) محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الایمان باب الدین یسر، مطبوعہ دارسحنون استنبول،۱۹۹۲ء

(۴) ابوداؤد بجستانی، سنن ابوداؤد کتاب الادب، مطبوعہ دارسحنون استنبول،۱۹۹۲ء

(۵) محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، طبع سوم۱۹۸۵ء

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "کان خلقه القرآن............" (رسول اللہ ﷺ کے اخلاق قرآن کا نمونہ تھے) (مسند احمد حدیث نمبر:۲۳۴۶۰)۔

(۷) شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ اصحاب الجحیم ۱/۱۵۲ مطبوعہ وزارت اوقاف سعودی عرب، ۱۹۹۹ء۔

(۸) سورہ حشر:۵

(۹) محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب صلاۃ الخوف، مطبوعہ دارسحنون استنبول،۱۹۹۲ء

(۱۰) محمد بن ابوبکر المعروف بابن القیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۱/۱۵۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۶ء۔

(۱۱) محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب الحلال بین والحرام بین، مطبوعہ دارسحنون استنبول، ۱۹۹۲ء

(۱۲) محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی، سنن ابن ماجہ، مقدمہ، مطبوعہ شرکۃ الطباعۃ العربیۃ السعودیۃ، طبع دوم،۱۹۸۴ء

(۱۳) سورہ آل عمران:۱۰۳

(۱۴) ابوبکر ابن العربی، الاحکام الصغری ۱/۱۵۳، مطبوعہ المنظمہ الاسلامیۃ للتربیہ والثقافہ والعلوم ۱۹۹۱ء

(۱۵) محمد عبدالرحمٰن السخاوی، القاصد الحسنہ، صفحہ ۴۵، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت،۲۰۰۶ء

(١٦) سیوطی، جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب
(١٧) سیوطی، جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب
(١٨) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ١٥٩/١ مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر ١٣٥٥ھ۔
(١٩) اسماعیل بن محمد عجلونی، کشف الخفاء ومزیل الالباس، ٥٨/١، دار الکتب العربیہ بیروت ١٩٩٧ء۔
(٢٠) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ١٥٩/١ مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر ١٣٥٥ھ۔
(٢١) محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، طبع سوم، ١٩٨٥ء
(٢٢) سید سلیمان ندوی، مقالات سلیمانی، صفحہ ٤٤۔
(٢٣) منظور نعمانی، الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، صفحہ ٢٩١۔
(٢٤) مناظر احسن گیلانی، تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ، صفحہ ١٢٢۔
(٢٥) شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، صفحہ ٢٩ مطبوعہ حسین حلمی استنبول ١٣٩٦ھ۔
(٢٦) شاہ صاحب کے حالات اور مختلف مکاتب فکر سے ان کے استفادہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے: مولانا ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت جلد پنجم، مطبوعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ۔
(٢٧) شاہ ولی اللہ، التفہیمات الالہیہ ١٢٠/٢، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل ١٣٥٥ھ۔ شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین صفحہ ٢٦، مطبوعہ مطبع احمدی دہلی۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ١٦١/١ مطبوعہ مکتبہ دار التراث مصر۔
(٢٨) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ١٤١/١ اور آگے کے صفحات، مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔
(٢٩) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ١٤٢/١۔١٤٣ مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔
(٣٠) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ١٣٢/١ مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔
(٣١) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ١٤٨/١۔١٤٩ مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔
(٣٢) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ١٤٥/١ مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر، مصطفیٰ زرقاء، المدخل الفقہی العام ١٩٧/١ مطبوعہ دار القلم دمشق ١٩٩٧۔
(٣٣) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ١٤٦/١ مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر، مصطفیٰ زرقاء، المدخل الفقہی العام ٢٠٠/١ مطبوعہ دار القلم دمشق ١٩٩٧۔
(٣٤) شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید صفحہ ٣٦۔٣٨ مطبوعہ حسین حلمی استنبول ١٣٩٦ھ۔
(٣٥) شاہ ولی اللہ، التفہیمات الالہیہ ٢٥٠/٢، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل ١٣٥٥ھ، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ١٥٩/١ مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔
(٣٦) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ١٤٦/١ مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔

(۳۷) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۳۳ مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔
(۳۸) شاہ ولی اللہ، الخیر الکثیر ۱۲۴، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۲ھ۔
(۳۹) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۰ مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔
(۴۰) اس رجحان پر مفصل گفتگو کے لئے ملاحظہ ہو: مصطفیٰ زرقاء، المدخل الفقہی العام ۱/۲۵۹ مطبوعہ دار القلم دمشق ۱۹۹۷۔ مولانا امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، صفحہ ۱۱۶ اور آگے، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور۔
(۴۱) شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین صفحہ ۶۴، مطبوعہ مطبع احمدی دہلی۔
(۴۲) شاہ ولی اللہ، التفہیمات الالہیہ ۱/۲۱۱، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۵ھ۔
(۴۳) ڈاکٹر مظہر بقا، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ۳۰۔۳۱ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان۔
(۴۴) شاہ ولی اللہ، التفہیمات الالہیہ ۲/۲۰۲، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۵ھ۔
(۴۵) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۹، مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔
(۴۶) شاہ ولی اللہ، الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ۴۔۵۔ عربی ترجمہ بہاء اللہ بن حسین سلفی، شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید صفحہ ۴۰ مطبوعہ حسین حلمی استنبول ۱۳۹۶ھ۔
(۴۷) شاہ ولی اللہ، الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ۴۔۵۔ عربی ترجمہ بہاء اللہ بن حسین سلفی
(۴۸) شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین صفحہ ۶۲، مطبوعہ مطبع احمدی دہلی۔
(۴۹) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۲۔۱۵۳، مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔
(۵۰) شاہ ولی اللہ، مقدمہ المصفی ۱/۸۲۔۸۲ بر کتاب المسوی، مطبوعہ مطبعہ سلفیہ مکہ مکرمہ۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت ۵/۲۱۳، مطبوعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ۔ شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید صفحہ ۸۶ مطبوعہ حسین حلمی استنبول ۱۳۹۶ھ ۔
(۵۱) شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید صفحہ ۳۰ مطبوعہ حسین حلمی استنبول ۱۳۹۶ھ
(۵۲) شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید صفحہ ۴۰ مطبوعہ حسین حلمی استنبول ۱۳۹۶ھ
(۵۳) شاہ ولی اللہ، مقدمہ المصفی ۱/۸۲۔۸۲ بر کتاب المسوی، مطبوعہ مطبعہ سلفیہ مکہ مکرمہ
(۵۴) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۲، ۱۵۶، مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔
(۵۵) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۵، مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔
(۵۶) شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید صفحہ ۳۰ مطبوعہ حسین حلمی استنبول ۱۳۹۶ھ
(۵۷) شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید صفحہ ۳۰ مطبوعہ حسین حلمی استنبول ۱۳۹۶ھ

(۵۸) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۴، مطبوعہ مکتبۃ دار التراث مصر۔

(۵۹) ڈاکٹر مظہر بقا، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ۴۸۲۔۴۸۳، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان۔

(۶۰) اسلامک فقہ اکیڈمی، اہم فقہی فیصلے، صفحہ ۱۴۴۔۱۴۶، مطبوعہ ۲۰۰۱ء

(۶۱) رابطہ عالم اسلامی، فقہی فیصلے، صفحہ ۲۰۵۔۲۰۸، اردو ترجمہ محمد فہیم اختر ندوی، مطبوعہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا ۲۰۰۱ء

☆☆☆

مؤلف کتاب

محمد فہیم اختر ندوی بن حافظ محمد اختر
۷ر ستمبر ۱۹۷۱ء میں سمستی پور (بہار) میں پیدا ہوئے۔
''جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر'' سے حفظِ قرآن پھر
'' دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ'' سے حفظ و تجوید،
عالمیت وفضیلت اور افتاء کی سندیں حاصل کیں۔
''جامعہ ملّیہ اسلامیہ'' دہلی سے عربی زبان وادب میں
بی ۔اے اور'' دہلی یونیورسٹی'' سے ایم۔ اے
کیا،''جامعہ ملّیہ اسلامیہ'' دہلی سے اسلامک اسٹڈیز
میں پی ایچ ڈی کررہے ہیں۔

۱۹۹۲ء سے'' اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' میں
علمی تحقیق وترجمہ اور فتویٰ کی خدمات انجام دے رہے
ہیں ۔حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے
دورِ صدارت (مئی ۲۰۰۰ء تا مئی ۲۰۰۲ء) میں
آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے آفس سکریٹری
رہے۔

اندرونِ ملک کے علاوہ سعودی عرب، کویت،
بحرین، عرب امارات، قطر، پاکستان اور جنوبی افریقہ
کے علمی اسفار کیے۔ اور دس بین الاقوامی سیمیناروں
میں مقالات پیش کیے۔

چالیس سے زائد علمی و تحقیقی مضامین مختلف
موقر رسائل وجرائد میں طبع ہوئے۔

عربی سے اردو زبان میں پندرہ کتابوں کے
ترجمے کیے، جن میں سے تین زیرِ طبع، چار غیر مطبوعہ
اورآٹھ مطبوعہ درج ذیل ہیں:

(۱) فکرِ اسلامی کی تجدید
(۲) اختلافات اسباب وآداب
(۳) اسلامی ثقافت کی حفاظت
(۴) حقوقِ شہریت
(۵) حدیث نبویؐ اور علم النفس
(۶) قرآن اور علم النفس
(۷) عورت عہدِ رسالت میں
(۸) مکہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے

تصنیفات زیرِ طبع ہیں:

(۱) مشینی ذبیحہ
(۲) حج اور عمرہ
(۳) اسلامی شریعت کے مصادر

اور زیر تحقیق ھے: شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی
''عقد الجید فی احکام الا جتھاد والتقلید''۔